حضرت

داتا علی ہجویری

رحمۃ اللہ علیہ



یونس ادیب

۳۲

روشن کتابیں

صرف -/۲ روپے

مطبوعات شیخ غلام علی، ادبی مارکیٹ، چوک انارکلی، لاہور

دُنیا کی ہر قومی اور علاقائی
زبان کی روشن کتابوں کا انتخاب

نگران : شیخ نیاز احمد
مُدیر مسئول : ارشد نیاز
مُدیر : رب نواز ملک

مجلسِ مشاورت :
اے حمید - ایم - ایس ناز
محمد حنیف شاہد - عینکاف خالد

آرٹ : سلیم اختر

طابع : شیخ نیاز احمد
مطبع : غلام علی پبلشرز، لاہور

ادارہ :
مطبوعات شیخ غلام علی
ادبی مارکیٹ، چوک انارکلی، لاہور

فون نمبر :
۵۲۹۰۸ ۶۱۸۵۹ ۲۱۳۰۲۰

تار :
کتاب مین (KITABMAN) لاہور

ناقصاں را پیرِ کامل، کاملاں را رہنما

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ برصغیر میں اسلام کے رُوحانی اور اخلاقی انقلاب کے عظیم علمبردار ہونے کی حیثیت سے ایک ایسے روشن مینار کی صورت رکھتے ہیں جس کی نورانی شعاعوں سے طالبانِ حق آج تک فیض حاصل کر رہے ہیں ـــ حضرت داتا صاحبؒ کی روحانی شخصیت نُورِ اسلام کے سانچے میں ڈھل کر احیائے اسلام کا باعث بنی اور پل بھر میں اِس کُرۂ ارض پر پھیلے ہوئے انسانوں کی تیرہ و تار رُوحوں کے لیے روشنی کا پیام لے کر آئی۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی، سیرت اور رُوحانی کارناموں پر مشتمل اس کتاب کے مؤلف جناب یونس ادیبؔ بزرگانِ دین اور اولیائے کرام سے گہری وابستگی رکھتے ہیں۔ چنانچہ زیرِ نظر کتاب حضرت داتا علی ہجویریؒ سے اُن کی روحانی عقیدت کا ایک عملی مظہر ہے۔ اِس مبسوط کتاب میں مؤلف نے بڑی خوبصورتی اور حُسنِ احتیاط سے حضرت داتا صاحبؒ کی شخصیت اور کارناموں کا جائزہ لیا ہے۔ کتاب کے آغاز میں انھوں نے حضرت داتا صاحب کی آمد سے قبل برصغیر کے حالات کا تجزیہ کر کے ایک اہم نتیجہ مرتب کیا ہے۔ جس کی روشنی میں یہ اندازہ لگانا ذرا بھی مشکل نہیں کہ حضرت داتا صاحب اِس خطّے میں بروقت تشریف لائے اور اپنی علمی اور روحانی صحبتوں سے یہاں علم و عرفان کے چراغ روشن کیے ـــ بقول یونس ادیبؔ

"حضرت داتا علی ہجویریؒ اس آفاقی انقلاب کے
عظیم المرتبت علمبردار ہیں جو بنی نوعِ انسان کی ابدی
نجات کے لیے پیغمبرِ اسلام محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرآنی
قیادت میں رُونما ہُوا اور ابد تک انسانیت کی
راہنمائی کرتا رہے گا۔"

۱۰ فروری کو حضرت داتا گنج بخشؒ کا عرس مبارک منعقد ہو رہا ہے۔ اس مناسبت سے ہماری یہ پیشکش داتا پیاؒ کے حضور ایک حقیر نذرانۂ عقیدت ہے۔ خُدا کرے شرفِ قبولیت پائے ـــ

اِس کتاب کے ساتھ ہی آج ہم روشن کتابوں کے ادبی سلسلے "اُردو نثر کی داستان" کی چھٹی قسط بھی پیش کر رہے ہیں جس میں فورٹ ولیم کالج کے نثر نگاروں کا تذکرہ ہے۔

ہمارے آئندہ پروگرام میں ۱۰ فروری کو "چینی کہانیاں" اور "مسلم شخصیات کا انسائیکلوپیڈیا (قسط ۳)" منظرِ عام پر آ رہی ہیں۔

نیاز احمد

روشن کتابیں گھر گھر پہنچانے کے عظیم منصوبے کے تحت

قلب و روح کو جلا بخشنے والی کتاب

حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ

(سیرت و سوانح اور افکار و نظریات کا تفصیلی تذکرہ)

○

یونس ادیب

۳۲
روشن کتابیں

مطبوعات شیخ غلام علی

ادبی مارکیٹ، چوک انارکلی، لاہور

برصغیر

داتا علی ہجویری کی آمد سے قبل

حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ برصغیر میں اسلام کی روحانی و اخلاقی اقدار پر مبنی نظریاتی مملکت کے نقطۂ آغاز کی حیثیت رکھتے ہیں، وہ اس آفاقی انقلاب کے عظیم المرتبت علمبردار ہیں جو بنی نوع انسان کی ابدی نجات کے لیے پیغمبر اسلام محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرآنی قیادت میں رونما ہوا اور ابد تک انسانیت کی راہنمائی کرتا رہے گا۔ دینِ اسلام کی ضوفشانی سے کرہ ارض پر پھیلے ہوئے انسانوں کی تاریک روحوں میں اجالا ہوا، اس نے برصغیر کی بھی تقدیر بدل دی۔ جہاں ہزاروں سالوں سے انسانیت جہالت، ظلم اور نسلی برتری کے ہاتھوں سسک رہی تھی، تاریخ بتاتی ہے کہ آج سے ہزاروں سال پیشتر جب برصغیر تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا، وسطی ایشیا سے آریاؤں کے قافلوں نے یہاں ڈیرے ڈال دیئے، آریاؤں کی یہ نسل جس کے بارے میں تاریخ خاموش ہے برصغیر کی مقامی آبادی پر چھا گئی اور تاریخ کے طویل عمل کے دوران یہاں آریائی تہذیب نے جنم لیا جس کی بنیاد نسلی امتیازات پر تھی اور ذات پات کے نظام پر مبنی ہندو دھرم نے ایک ایسا معاشرہ تشکیل دیا جس میں اقتدار اعلیٰ برہمنوں کے ہاتھ میں تھا جن کے ویدانتی فلسفہ کی رُو سے خیالی دیوی دیوتاؤں کو بہت سارے خداؤں کے روپ میں عوام پر مسلط کر دیا گیا۔ عوام پر علم کے دروازے بند تھے حکمرانوں کو دیوی دیوتاؤں کا نمائندہ یا مظہر بنا کر پیش کیا جاتا تھا اور حکمرانوں کی خلاف ورزی دیوی دیوتاؤں کی خلاف ورزی کے مترادف تھی۔ عوام کی محنت اور ذرائع پیداوار پر ایک ہی طبقہ قابض تھا۔ مقامی آبادی آریائی حکمرانوں اور برہمنوں کے مقابلے میں انتہائی کم تر سمجھی جاتی تھی۔ انہیں ہندو دھرم کے تحت کوئی حقوق حاصل نہیں تھے۔ غربت، جہالت اور پسماندگی کے باعث انسانوں کی ایک وسیع اکثریت کو شُودر قرار دے کر سوسائٹی کا ناکارہ حصہ بنا دیا گیا تھا۔

ویدوں کی تعلیم کے مطابق فوقیت صرف برہمنوں کو حاصل تھی اور وہی دیوی دیوتاؤں کی مہربانیوں کے حقدار تھے، اکثریت کو علم سے محروم رکھ کر اُسے دیوی دیوتاؤں کے عذاب سے ڈرایا جاتا تھا تاکہ وہ مذہبی خوف کے تحت برہمنوں کے لیے اقتدار کی بنیاد کا کام دیتی رہے۔ چنانچہ دیوی دیوتاؤں کے نام پر بڑے بڑے عظیم الشان مندر تعمیر کیے گئے جن میں خیالی دیوی دیوتاؤں کے بُتوں کی پرستش ہوتی تھی۔ سب سے بڑا بُت مہادیو کا تھا۔ اس کے بعد شوجی اور پھر فطرت کی قوتوں کے نام پر سرسوتی، دلماس دیوتا، اندر دیوتا، درگا اور کالی ماتا کے بُتوں کی تخلیق نے برصغیر کے بسنے والوں کو انسانوں ہی کے بنائے ہوئے ان گنت خداؤں میں اُلجھا کر رکھ دیا۔

البیرونی نے کتاب "الھند" میں برصغیر کی ہندو سوسائٹی کے بارے میں لکھا ہے کہ ذات پات پر مبنی ہندو سوسائٹی جامد ہو کر رہ گئی تھی۔ اگرچہ اس سوسائٹی کا تانا بانا پورے برصغیر میں پھیلا ہوا تھا لیکن کسی آفاقی تصور سے محروم ہونے کی بدولت ہندو معاشرہ جتنا پھیل سکتا تھا اس سے آگے بڑھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا اور چونکہ علم پر ایک حقیر اقلیت کی اجارہ داری تھی اس لیے اس کے فطری ارتقا کے سارے راستے بند تھے۔ دیوتاؤں کو خوش کرنے لیے قربانیاں دی جاتی تھیں اور اقتدار اعلیٰ کا سرچشمہ یہی دیوی دیوتا تھے جن کی خوشنودی کا مستحق صرف اعلیٰ طبقہ تھا اس لیے حقوق سے محروم طبقہ کی بے چینی نے اُس انقلاب کے لیے بنیادیں استوار کرنا شروع کر دیں جو بُدھ مت کے نام سے مہاتما بُدھ کی قیادت میں رُونما ہوا۔ بُدھ مت نے درحقیقت ذات پات کے نظام ہی سے جنم لیا اور ہندو دھرم کی رُو سے جس طبقہ کو زندگی کے حقوق سے محروم کر دیا گیا تھا برہمن ازم سے نجات حاصل کرنے کے لیے بُدھ مت کی طرف مائل ہو گیا۔ سیاسی معاشرتی سماجی اور مذہبی گھٹن کے نتیجے میں بُدھ مت کو زبردست پذیرائی حاصل ہوئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے بُدھ تہذیب آریائی تہذیب پر غالب آ گئی اور اس صورتِ حال نے برہمنوں کو مجبور کر دیا کہ وہ مذہبی قوانین کی دستاویز ویدوں میں ترمیم کریں اور ہندو قومیت کے نام پر پران دوبارہ لکھے گئے۔ شُودروں کو اپنے ساتھ ملانے کے لیے مذہبی و سیاسی سہولتیں دی گئیں۔ برہما، وشنو اور شیو کی پوجا کی شُودروں کو اجازت دے دی گئی۔ مقامی راجاؤں کو پرانوں کے ذریعے یہ خوشخبری دی گئی کہ ان کا نسب رام چندر اور شری کرشن سے ملتا ہے۔ اس طرح برصغیر میں بُدھ مت نام پر رونما ہونے والے انقلاب کو برہمنوں نے نہ صرف روک دیا بلکہ ہندو قومیت کے نظریئے کو فعال بنا کر بُدھ مت کی تحریک کو برصغیر سے باہر نکال دیا اور ایک بار پھر ویدوں پر مبنی جامد و ساکت سوسائٹی اور اس کے ذات پات کے نظام کو زوال سے بچانے کے لیے برہمن ازم کامیاب ہو گیا۔

برصغیر میں تاریخ کے اس عمل کے متوازی عرب کی سرزمین پر ظہورِ اسلام سے ایک نیا انقلاب کرۂ ارض پر دستک دے رہا تھا اور سندھ کے راستے برصغیر میں مسلمانوں کی آمد یہاں کے بسنے والوں کو نجات کا پیغام سنا رہی تھی۔ ساتھ ہی برصغیر میں اسلام کی روشنی کو پھیلنے سے روکنے کے لیے وہ تمام قوتیں متحد ہو رہی تھیں زوال جن کا مقدر بن گیا تھا۔۔۔۔

اگرچہ اسلام سندھ کے زیریں حصوں تک ابھی پہنچا تھا لیکن غزنی اس وقت اسلام کے تہذیبی مرکز کی حیثیت اختیار کر گیا تھا اور برصغیر کی تاریخ ایک نئے انقلاب کی منتظر تھی۔ پنجاب میں راجہ جے پال کی حکومت تھی اور اس نے پیشگی دفاع کے طور پر غزنی پر یلغار کر دی۔ امیر سبکتگین نے سلطان محمود غزنوی کو اس یلغار کا مقابلہ کرنے کے لیے بھیجا۔ سلطان محمود غزنوی نے راجہ جے پال کے لشکر کو ملیا میٹ کر دیا۔ راجہ جے پال بھاگ گیا اور پنجاب سلطنتِ غزنوی میں شامل کر لیا گیا۔ اس طرح کئی مسلمان ترک اور افغان پنجاب میں آباد ہو گئے اور یہاں دینِ اسلام کی شمعیں روشن ہونے لگیں۔ لیکن ہندو راجے جنہیں تلوار کے زخموں نے نڈھال کر رکھا تھا، اپنے تباہ شدہ اقتدار کو دوبارہ حاصل کرنے کے لیے اندرونی سازشیں کرنے لگے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ سلطان محمود غزنوی سترہ بار برصغیر میں آیا اور واپس چلا گیا مگر ان سترہ حملوں میں برہمن ازم کے سیاسی اقتدار کو شدید نقصان پہنچا، تاہم باطنی فرقہ قرامطہ جس کا مرکز المُوط (ایران) تھا اپنے اسلام دشمن نظریات کی وجہ سے سلطان محمود غزنوی کے ہاتھوں زوال سے ہمکنار ہونے والے برہمن ازم سے اتحاد کرنے پر مجبور ہو گیا۔ قرامطہ کی تحریک بدعت پر مبنی تھی اور مرتد ہونے والوں پر مشتمل تھی جو شریعت کے باغی تھے اور انہیں ملاحدہ بھی کہتے تھے۔ عراق کی طرح برصغیر میں ملتان ان کا مرکز تھا اور سلطان محمود غزنوی کے خلاف ہندو ازم کو تقویت پہنچا رہا تھا۔ ملتان پر سلطان محمود غزنوی نے قرامطہ کی تحریک کو کچلنے کے لیے ایک بھرپور حملہ کیا اور پنجاب پوری طرح غزنوی سلطنت میں ایک صوبے کی حیثیت سے شامل کر لیا گیا۔ اگرچہ غزنوی سلطنت کا دارالخلافہ پنجاب سے دور غزنی میں تھا لیکن سلطان محمود غزنوی کی دہشت سے ہندو راجاؤں میں اتنی ہمت نہ رہی تھی کہ وہ علمِ بغاوت بلند کرتے۔ لیکن جونہی پانچویں صدی ہجری کے دوسرے عشرے میں سلطنت غزنی میں کمزوری کے آثار پیدا ہونے شروع ہوئے بغاوتوں نے سر اٹھانا شروع کر دیا، ادھر چندر دیو کے پوتے گوبند چندر نے قنوج کی خود مختاری کا اعلان

کی۔ ادھر ہندوستان پہ غزنی کے ایک کمانڈر نے مرکز سے بغاوت کر کے تھانیسر اور سونی پت کا علاقہ راجہ اننگ پال کو بخش دیا۔

یہ بغاوتیں سلطنت غزنی کے خلاف نہ تھیں بلکہ برصغیر پہ مسلمانوں کی حکومت کے ان اثرات کے خلاف تھیں، جن کے باعث ذات پات کے نظام کے ہاتھوں پچلے ہوئے لوگ اسلام کی طرف مائل ہو رہے تھے اور برہمنوں کی اطاعت سے نجات حاصل کرنے والے راجپوت، ٹھاکر اور دوسرے طبقوں کے نچلے درجے کے افراد ذہنی آزادی محسوس کرنے لگے تھے۔ یہ ذہنی آزادی اسلام کی رواداری نے انہیں بخشی تھی۔ کیونکہ مسلمانوں نے ہندوؤں کی مذہبی آزادی اور قومی معاملات میں عدم مداخلت کے اصول کو ہاتھ سے نہ چھوڑا تھا اور انہیں برہمنوں سے صرف اتنی شکایت تھی کہ وہ باطنی فرقوں قرامطہ اور فدائیوں کی سازشوں میں شریک ہو کر اسلامی سلطنت کی تباہی کے خواب دیکھتے تھے۔ لیکن قرامطیوں اور ملحدوں کے خاتمے کے بعد مسلمانوں کو برہمنوں سے کوئی شکایت نہ رہی تھی۔ مسلمانوں کی اس رواداری اور خاموشی کے باوجود برہمنوں نے اپنے اقتدار کی بحالی کے لیے خفیہ تحریکیں زندہ رکھیں اور ہندوازم کی برتری کے لیے جدوجہد کرتے رہے۔ لیکن اسلام کے درس آزادی اور پیغام مساوات برصغیر کی آبادی کے لیے بدھ مت کے بعد نجات کی آخری امید بن چکا تھا اور برصغیر میں اسلامی تہذیب کی نمو نے علم و عرفان کی جو روشنی پھیلائی اس سے کفر و جہالت کے اندھیرے چھٹ رہے تھے لیکن سلطنت غزنی کے کمزور ہوتے ہی پنجاب میں برہمنوں کی ترغیب پر ہندو راجاؤں نے خود مختاری کے اعلانات کرنے شروع کر دیئے تھے اور جب انہیں یقین ہو گیا کہ مرکز اتنا طاقتور نہیں رہا تو راجہ اننگ پال نے پنجاب میں آباد ترک اور افغان مسلمانوں کو بے دردی سے قتل کروا دیا۔ اسلامی مدرسوں کو نیست و نابود کر دیا اور مسجدوں میں اذان دینے والا کوئی نہ رہا۔ تاریخ لاہور میں درج ہے کہ راجہ اننگ پال کے حکم سے لاہور کے ایک محلہ میں آباد دو ہزار مسلمانوں کو شہید کروا دیا گیا۔ مسجدیں ویران ہو گئیں۔ برہمنوں کے استحصال سے مستقل نجات حاصل کرنے والوں کی امیدوں نے دم توڑ دیا اور توحید الٰہی کے پرستاروں نے اننگ پال کی بربریت کے بعد پنجاب کو خیرباد کہہ دیا۔ اس مرحلے پر برصغیر میں اشاعت دین کے عمل میں جو تعطل پیدا ہو گیا تھا اس سے اسلامی تہذیب و ثقافت کے فروغ میں مایوسی پیدا ہو گئی تھی۔ تاریخ میں لکھا ہے کہ لاہور جسے مشیت ایزدی برصغیر میں اسلامی تہذیب و تمدن کا مرکز بنانے کے لیے منتخب کر چکی تھی اک دم تاریکیوں میں ڈوب گیا تھا اور حضرت اسماعیل بخاری رحمتہ اللہ علیہ جو لاہور میں فروغ دین کا فریضہ ادا کر چکے تھے۔ ان کے مزار (واقع بھاٹی گیٹ عقب پیراماؤنٹ سینما) پر چراغ جلانے کے لیے ایک بھی مسلمان لاہور میں نہ رہا تھا۔

پنجاب کے تمام ہندو راجاؤں نے برصغیر کے راجاؤں سے پنجاب پر اقتدار مستحکم کرنے کے لیے زبردست فوجی اور اقتصادی امداد حاصل کی تاکہ غزنی کے ردعمل کا جواب دیا جا سکے، براہمنوں نے ہندوازم کی بحالی کے لیے نئے عقائد و اصول وضع کیے جن کا مقصد اسلامی رواداری اور اخوت کے اثرات کو مقامی آبادی کے ذہنوں سے محو کرنا تھا۔ خود غرضی، نفس پرستی اور بے راہ روی میں اُلجھانے کے لیے نئے وضع کردہ عقائد اور فرقے ترتیب دیئے گئے تاکہ ذاتی اور نفسانی خواہشات کو تیز تر کر کے خدا کی وحدانیت کے پاکیزہ تصور سے روحوں کو خالی کر دیا جائے مندروں میں دیوی دیوتاؤں کے جنسی اعضا کی پرستش کو عام کرنے کے لیے شیوی فرقہ پیدا کیا گیا۔ جس نے شیو اور پاربتی کے جنسی اعضا کی پوجا کو ویدوں اور پرانوں کے حوالے سے عبادت کا درجہ دیا۔ اسی طرح مہادیو کی شرمگاہ کی پوجا کے لیے نئے نئے استھان بنائے گئے۔ مہادیو کی شرمگاہ کی پوجا کرنے والے فرقے کو اگھم کا نام دیا گیا۔ اس فرقہ میں انسان کو قتل کر کے اس کا گوشت بھون کر کھانا اور کنواری لڑکی کو مہادیو کے نام پر مباشرت کا شکار بنانا مہادیو کی خوشنودی حاصل کرنے کا ذریعہ بتایا گیا۔ اسی زمانہ میں پراگ پنتھی فرقہ بھی ترتیب دیا گیا جس کا بنیادی عقیدہ یہ تھا کہ دنیا میں کوئی چیز حرام نہیں اور نہ ہی کوئی گناہ ہے کیونکہ اسلامی تصور حیات اس سے قبل برصغیر میں گناہ اور ثواب کا جو تصور پیش کر چکا تھا اس نے عام انسان کے ذہن میں نیکی اور بدی کی شناخت کا شعور اجاگر کیا تھا۔ ظلم کے مقابلے میں رحم اور بدی کے مقابلے میں پاکیزگی سے رغبت کے احساس نے ویدوں کی اس تعلیم سے عوام کو بدظن کر دیا تھا کہ ظلم اور رحم کوئی چیز نہیں یہ صرف دیوتاؤں کی صفات ہیں۔ بدی صرف دیوتاؤں کی خلاف ورزی کا نام ہے اور پاکیزگی صرف اونچے لوگوں کی صفت ہے۔ عوام مسلمانوں کے رہن سہن کو دیکھ چکے تھے ان کے کردار و عمل سے بھی واقف تھے۔ انسانی برابری اور احترام کے طاقتور تصور نے شودروں اور نیچی ذات کے لوگوں کے ذہن بدل کر رکھ دیئے تھے۔ چنانچہ راجپوت قوموں کو کھشتریوں کا درجہ دیا گیا اور شودروں کو ہندو دھرم میں مدغم کرنے کے لیے انہیں ان مذہبی رسوم کی اجازت دے دی گئی جنہیں نئے عقائد کے فرقوں نے جنم دیا تھا تاکہ اسلام کی طرف راغب ہونے والے ذہنوں کو نفسانی لذتوں کے جال میں پھنسایا جا سکے۔ حرام و حلال کی تمیز ختم کرنے کے لیے پرم ہنس فرقہ بڑی تیزی سے سامنے آیا جو داڑھی مونچھوں اور سروں کے بال منڈوا کر برہنہ رہتا تھا اور عورتوں سے شرمناک اور انسانیت کے خلاف پوجا کروانے کو درست قرار دیتا تھا۔

برہمن ازم نے زوال پذیری سے بچنے کے لیے شرف انسانیت کے منافی جو بھی ہتھکنڈے اختیار کیے وہ برصغیر کی تاریخ کے سیاہ باب کی حیثیت رکھتے ہیں اور یہ وہ دور تھا جب انسانی پستی اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی اور جہالت کی تاریکی میں بھٹکنے والوں کے لیے نجات کی ساری راہیں بند ہو گئی تھیں۔ اوہام پرستی لوگوں کا اوڑھنا بچھونا بنی ہوئی تھی اور انسان کی سوچ کو دیوی دیوتاؤں تک پابند کر دیا گیا تھا۔

ایسا سب کچھ برہمن ازم نے خاص مقاصد کے لیے کیا تھا اور ان میں اہم مقصد برصغیر میں اسلام کی روحانی و اخلاقی اقدار کی نشوونما کو روکنا تھا۔ لیکن خالق کائنات کا فیصلہ کچھ اور ہی تھا کیونکہ انسانیت کی راہنمائی کے لیے محسنِ انسانیت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے فروغ اور استحکام کے لیے خالق کائنات خود وعدہ کر چکا تھا چنانچہ پانچویں صدی ہجری کے اوائل میں جب برصغیر تہذیبی، معاشرتی اور سماجی اعتبار سے پُرآشوب دور سے گزر رہا تھا۔ ربِ ذوالجلال کے حکم سے ہادی برحق محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی تعلیمات سے آراستہ اور دین حق کے سچے مبلغ حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ برصغیر میں بسنے والوں کے لیے روحانی معالج بن کر آئے اور برصغیر بالخصوص پنجاب کے حالات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ جہالت و گمراہی کے تپتے ہوئے صحراؤں میں ٹھنڈے میٹھے پانیوں والے روحانی چشمے کی طرح نمودار ہوئے اور جہالت و گمراہی کے بُت پاش پاش ہو گئے۔ نامساعد حالات اور ناموافق طاقتوں کی یلغار میں انھوں نے سرمدی استقلال کے ساتھ رشد و ہدایت کی شمع روشن کی، شرافت نفس، اخلاق

حسنہ، علم و فضل، اطاعت محمدی اور نیکی و پاکیزگی کے ہتھیاروں سے بدی کی تمام منظم طاقتوں کو سرنگوں کر دیا اور اپنے فکر و عمل سے برصغیر میں نظریاتی مملکت کے قیام کی بنیادیں مستحکم کر دیں۔

حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کی لاہور میں آمد برصغیر کی ہزار سالہ تاریخ میں انقلاب کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ ان کی تشریف آوری سے برصغیر میں اسلام کے روحانی فیضان کا جو سلسلہ شروع ہوا آنے والے دور میں شمالی ہندوستان کو اسلامی معاشرہ میں ڈھالنے کی بنیادیں استوار کرتا چلا گیا اور پھر خیبر سے لے کر چاٹگام تک اسلامی تہذیب و تمدن کے فروغ کی راہیں ہموار ہو گئیں۔ آج جب ہم برصغیر میں نظریاتی مملکت پاکستان کو دنیائے اسلام کے ایک مضبوط قلعے کی حیثیت میں دیکھتے ہیں تو ہماری نگاہیں داتا علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پُرانوار پر سجدہ ریز ہونے کے لیے تڑپ اٹھتی ہیں۔ داتا علی ہجویریؒ جو ربانی روشنیوں کے مینارہ کی حیثیت رکھتے ہیں ان کی عظیم روحانی شخصیت اور تعلیمات سرزمین پاکستان کا روحانی سرمایہ ہیں اور دین اسلام کی ان صداقتوں کا مظہر ہیں جو صدیوں کی آزمائش کے باوجود آج بھی انسانیت کی راہنمائی کا فرض ادا کر رہی ہیں۔

برصغیر کی ہزاروں برس کی تاریخ کا رُخ جس انقلاب نے تبدیل کیا وہ حضرت داتا صاحبؒ کے توحید الٰہی سے ابدی تعلق کی ایک حیات افروز داستان ہے اور لاہور جو ہزاروں برس سے برصغیر میں رونما ہونے والے ان گنت انقلابوں کا گواہ ہے برصغیر میں وقتاً فوقتاً جنم لینے والی تہذیبوں اور ثقافتوں کے ابھرنے اور مٹنے کے تمام مناظر اس کے سینے میں دفن ہیں کئی باجبروت شہنشاہوں کے لاؤ لشکر یہاں خیمہ زن ہوتے اور ان کے اقتدار کے جاہ و جلال کی داستانیں بھی ختم ہو گئیں برصغیر عروج و زوال کے کئی مرحلوں سے گزرا۔ عظمتوں کے کئی سورج طلوع ہوئے اور غروب ہو گئے۔ لیکن کوئی بھی عظمت برصغیر کے مقدر کا ستارہ نہ بن سکی لیکن رب ذوالجلال نے جن عظمتوں سے برصغیر کے باسیوں کو سرفراز کیا ان کا سورج ابد تک چمکتا رہے گا اور آج برصغیر انسانی شرف کی بلندی کی جس تحریک کا مرکز بنا ہوا ہے اور یہاں اسلام کی عظمت رفتہ کی بحالی کے لیے نظریاتی مملکت پاکستان کا قیام اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ یہ فیض عالم داتا علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ کی نگاہِ آئینہ ساز کا کرشمہ ہے جو آج سے نو سو سال پیشتر برصغیر کے خرابے میں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کی مہک اور دین اسلام کی صداقت لے کر آئے اور کرۂ ارض کے اس علاقے پر مسلط گمراہی و غفلت کی تاریکیوں کو لافانی نور میں بدل دیا، خاکِ پنجاب کو نئی رفعتوں سے ہمکنار کیا۔ نور صداقت کے طلوع ہوتے ہی جہالتوں پر علم و عرفان کی فضیلت غالب آنے لگی۔ اسلامی اقدار پر مبنی تہذیب کے نقوش تیزی سے ابھرنے لگے اور اب تک مختلف زمانوں میں جتنی بھی اسلامی سلطنتیں یہاں وجود میں آئیں ان کی بنیاد داتا علی ہجویریؒ کا قرآن و سنت پر مبنی وہ فلسفہ حیات ہے جو انسانوں کو سچائی نیکی اور امن کی مکمل ضمانت دیتا ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ برصغیر میں انسانیت کو درپیش اندوہناک حالات کی موجودگی میں ایک فرد واحد کی آمد جس کے جلو میں نہ تو کوئی لشکر جرار تھا اور نہ ہی سونے چاندی سے بھرے ہوئے خزانے تھے۔ آخر کونسی ایسی طاقت تھی جس کے سامنے تلواریں جھک گئیں۔ خدا کے دشمن اطاعت پر مجبور ہو گئے۔ بیقرار روحوں کو قرار آ گیا اور حکومت ربانی کے قیام کی راہیں ہموار ہوتی چلی گئیں۔ اس سوال کا ٹھوس جواب حضرت داتا علی ہجویری کی شخصیت اور سیرت ہی ہے جس کے پُرخلوص مطالعے سے یہ بصیرت حاصل ہوتی ہے کہ وہ اسلام کی صحیح روح کا پیکر بن کر منظر حیات پر نمودار ہوئے تھے اور قرآن و سنت کے تابع ان کا سوز یا نہ عمل ہی وہ حقیقی قوت ہے جس نے پتھر سے سخت دلوں کو پگھلا دیا۔ پیاسی روحوں پر انوار ربانی کی بارش کی طرح برسا اور انسانی شرف کے گلستانوں کو مہکا گیا۔

حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کی سوانح حیات کے مقدس اوراق صدیوں کی تحقیق کی روشنی میں بتاتے ہیں کہ وہ ان منتخب روحوں میں سے ہیں جو اپنی تخلیق کے وقت سے ہی قرب الٰہی میں قیام پذیر تھیں اور سورہ الاعراف کے مطابق اللہ تعالیٰ نے انہیں بلایا اور پوچھا کہ کیا تمہارا رب تمہارے لیے کافی نہیں۔ تو ان پاک روحوں نے جواب دیا بے شک ہمارا رب ہمارے لیے کافی ہے... صوفیانہ نظریئے کے مطابق اُس وقت ان کی حقیقت صرف اللہ تعالیٰ کو معلوم تھی۔ وہ تو صرف مشیت الٰہی تھیں اور قرب الٰہی سے سرفراز تھیں۔ چنانچہ حضرت داتا صاحبؒ کی روح کو اس وقت پیکرِ حیات عطا کر کے دنیا میں بھیجا گیا۔ جب نور الہدیٰ احمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے باطنی اور ظاہری امور کی حفاظت کا عمل ناگزیر صورت اختیار کر گیا تھا اور کرۂ ارض پر حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کا ظہور اس وقت کی وفاداری کے سلسلے میں انعام خداوندی کا بھی نتیجہ تھا جب انہوں نے کہا تھا کہ ہمارا رب ہی ہمارے لیے کافی ہے اور ساتھ ہی قرب خداوندی سے جدائی کی صورت میں اس آزمائش کا مرحلہ بھی تھا کہ وہ کائنات کے رنگ و بو میں جا کر اس وفاداری پر کہاں تک قائم رہتے ہیں اور اپنے رب کی ربوبیت کے قیام اور فروغ کے لیے عطا کردہ ربانی علوم کے تحت پابند وفا ہونے کا حق کیسے ادا کرتے ہیں۔

حضرت داتا صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی سوانح حیات درحقیقت ایک روحانی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے ان کی ہمہ گیر شخصیت راز ہائے ربانی ہی کی طرح گہری اور سربستہ ہے۔ ان کی سیرت و کردار حقیقتِ الٰہی کے مخفی رازوں کا انمول خزینہ ہے اور ان سے آگاہی صرف اسی صورت حاصل ہو سکتی ہے کہ گذرگاہِ حیات پر ان کے نقوش پا سے روشنی حاصل کی جائے۔

تصوفِ اسلام اور بغداد

کلام پاک اور احادیث نبوی سے اس امر کی شہادت ملتی ہے کہ دین اسلام کی اصل روح کو دائم و قائم رکھنے اور ہر دور میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی راہنمائی میں اللہ تعالیٰ سے انسان کے حقیقی تعلق کو عملی صورت میں پیش کرنے کی ذمہ داری صوفیائے کرام کو سونپی گئی ہے اور حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ صوفیائے کرام کے اس سلسلے میں نمایاں نظر آتے ہیں جنہوں نے اپنے علم و تجربے سے اسلامی فکر کی بنیاد پر سچے صوفیانہ رویے کو اپنایا اور اسلامی تصوف کو اوہام، ظاہری بدعتوں، فوق البشریت کے مظاہروں اور رہبانیت کے آسیب سے محفوظ رکھنے کے لیے ساتھ ساتھ یہ بصیرت بھی عطا کی کہ زمین پر انسان روحانی زندگی اختیار کیے بغیر اپنے سماجی، معاشرتی اور تہذیبی و ثقافتی عمل کو دیانت داری سے ادا نہیں کر سکتا اور تصوف کا مقصدِ عظیم زندگی کو اس تصور کے سائے میں بسر کرنا ہے کہ تمام فضیلت و عظمت اور سرداری و حاکمیت خالق کائنات کو حاصل ہے اور انسان کے تمام اعمال اللہ تعالیٰ کے ان احکام سے ترتیب پانے چاہئیں جو اللہ تعالیٰ کے آخری رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ

علیہ وسلم کے مقدس وسیلے سے انسانوں تک پہنچے ہیں۔ چنانچہ حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اور کردار و عمل کو مکمل طور پر سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس عہد کے نقطۂ آغاز سے راہنمائی حاصل کی جائے۔ جب اسلامی تصوف حقیقی نظم و ضبط اختیار کر رہا تھا۔

حضرت داتا صاحب رح تصوف کے جنیدی مدرسہ کے مرشد و معلم ہیں جس کی بنیاد تیسری صدی ہجری میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے رکھی۔ اور یہ عہد عباسی خلافت کا ہے۔ جب اسلامی سلطنت کی حدود یورپ، امریکہ، افریقہ اور ایشیا تک پھیلی ہوئی تھیں اور اسلامی دنیا میں دوسرے علوم و افکار تیزی سے ترجمہ و نقل ہو رہے تھے۔ تصوف کا رشتہ اسلام کی بنیادی تعلیمات سے آہستہ آہستہ کمزور ہو کر بیرونی تہذیبوں اور ان کے تصورات و نظریات سے قائم ہو رہا تھا اور اسلام کے دیئے ہوئے تصور توحید کو بعض تبدیلیوں کے ساتھ قبول کرنے کا رجحان پیدا ہو رہا تھا جس سے قرآنی نظریۂ توحید کی سالمیت اور صحت کو شدید خطرات لاحق ہو گئے تھے۔ اس عہد کے صوفیانہ رویے سے تصوف کے بارے میں عوام الناس یہ تاثر لینے پر مجبور تھے کہ تصوف شریعت سے کوئی الگ شے ہے۔ اس کے علاوہ عباسی خلفا بھی تصوف کی من مانی تعبیروں کے اظہار پر اس لیے پابندی عائد کرنے پر مجبور تھے کہ وحدت الوجودیت کی منزل پر آ کر صوفیہ کے ایک گروہ نے شریعت سے تصادم کی راہ اختیار کر لی تھی اور ان کے افکار و نظریات سے عوام میں بے چینی پیدا ہو گئی تھی۔ ۳۰۱ہجری میں حسین بن منصور حلاج کو سولی پر چڑھانے کے واقعہ کے بعد جب صوفیہ خانہ نشین ہو گئے اور تصوف کی درس گاہوں کو حکومت نے بند کر دیا تو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ منظر حیات پر ابھرے اور انہوں نے قدسی جاہ و جلال کے ساتھ تصوف کو عام سطح سے اٹھا کر اخلاقی معیارات اور مسلمانوں کی ذہنی ارتقا کے باطنی جذبات کی بلند ترین رفعتوں پر فائز کر دیا اور تصوف کے اس انقلابی نظریئے کو مکمل فہم و بصیرت کے ساتھ پیش کیا جس کی حقیقی بنیاد قرآن و سنت ہے اور وہ ان تمام راہوں کو ہموار کر گئے جس پر آج تک کی صوفیہ کی نسلیں گامزن ہیں......

تیسری صدی ہجری میں جب حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی زیر قیادت بغداد کا مدرسہ تصوف وجود میں آ رہا تھا تو اس وقت تصوف کے کئی الگ الگ مدرسے قائم تھے اور بغداد جو تجارت اور علوم و فنون کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔ یونانی اور ویدانتی فلسفہ، روحانیت فکری آزادی کے نام پر اسلامی علوم میں سرایت کر رہا تھا اور خدا کے وجود کے بارے میں از سر نو بحثوں کے دروازے کھل گئے تھے۔ اس دور کے صوفیہ کا اصل موضوع توحید تھا اور وہ توحید سے رسائی کے عمل میں خطرناک راہوں پر نکل گئے تھے۔ حلولیوں کا ایک گروہ اس نظریئے کی اشاعت میں بے حد سرگرم عمل تھا کہ صوفی خدا کی حقیقت کی جستجو میں اس آخری مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں وہ خدا کی ذات میں حلول ہو جاتا ہے اور خدا اس میں حلول کر جاتا ہے۔ ایک گروہ عقل کو خدا سے ملاپ کا زینہ قرار دیتا تھا اور اسی طرح مدہوشی کو ہوش پر افضل سمجھنے والے کھلے بندوں شریعت پر قیام سے نفی کے مرتکب ہو رہے تھے۔ اس کے علاوہ قرامطہ اور فدائیوں کی باطنی تحریک جو ملحدوں اور مرتدوں پر مشتمل تھی۔ دین کو سراسر باطنی عمل سمجھتی تھی اور یوں اسلامی فکر کی جڑیں کاٹنے میں انتہا پسندانہ سرگرمیوں میں مصروف تھی۔ عوام ان باہم متصادم نظریات کی گھاگھمی میں راست باز صوفیہ سے بھی بیزار تھے اور حکومت سے اس کی شدت سے توقع کرتے تھے کہ شریعت کی خلاف ورزی کے جرم میں ان کے خلاف سخت کارروائی کی جانی چاہیئے۔ ان پرآشوب حالات میں حضرت جنید بغدادیؒ صوفیانہ فکر کی جس اصلاحی تحریک کے بانی کی حیثیت سے نمودار ہوئے وہ تصوف کو اسلام کی مروجہ تعلیمات کے مطابق ڈھالنے کا ایک انقلابی عمل ہے اور جس جامع فہم و ادراک اور علم و تجربہ سے انہوں نے تصوف کے اصولوں کی بنا رکھی، پانچویں صدی ہجری میں حضرت داتا گنج بخش تصوف کے انہی عظیم اصولوں کے جلیل القدر مبلغ، مفسر اور معلم بن کر آئے اس صداقت کا روشن ثبوت یہ ہے کہ نو سو سال گزرنے کے بعد بھی حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات تابندہ و درخشاں ہیں اور روحانی پاکیزگی کے طلب گاروں کیلئے سچی رہنما ہیں۔

حالات زندگی

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی کا ماخذ ان کی شہرۂ آفاق تصنیف کشف المحجوب ہی ہے۔ کشف المحجوب میں حضرت داتا گنج بخشؒ کے بارے میں جتنی بھی معلومات اب تک سامنے آئی ہیں وہ صدیوں کی تحقیق و تدوین کا نتیجہ ہیں کیونکہ شخصیت کے اظہار کی بجائے تعلیمات ربانی کی اشاعت ہی حضرت داتا گنج بخش کا عظیم مقصد تھا اور نہ ہی انہوں نے اس چیز کو اپنی زندگی میں پسند کیا ہو گا کہ کوئی وقائع نگار ان کے حالات قلمبند کرتا، صوفیانہ تعلیمات کی رو سے کسی صوفی کو اس امر کی اجازت نہیں کہ وہ اپنی ذات کو اجاگر کرے اور پھر حضرت داتا گنج بخش ایسے عظیم المرتبت صوفی رہنما علوم ربانی کے مقابلے میں اپنی ذات کو کیسے اہمیت دے سکتے تھے اور اللہ تعالیٰ کو بھی یہ منظور نہیں تھا کہ راہ حق پر ثابت قدم رہنے والے دنیا کی نظروں سے پوشیدہ رہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان عظیم روحوں کو بے پایاں عظمتوں سے نوازتا ہے جو اس کی بہترین نمائندگی کا حق ادا کرتی ہیں۔ چنانچہ ہر دور میں محققین کا ایک گروہ حضرت داتا گنج بخشؒ کے بارے میں تحقیق پر مامور رہا ہے اور جو تحقیقی معلومات اب تک مرتب ہوئی ہیں ان کی روشنی میں حضرت داتا گنج بخشؒ کی شخصیت کردار اور تعلیمات پر مبنی سینکڑوں کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن بہت کم ایسی کتابیں ہیں جن میں تحقیق کے اصول کو راہنما بنایا گیا ہے۔ بیشتر کتابیں تحقیق کی بجائے جوش عقیدت کا نتیجہ ہیں جس کی وجہ سے بعض غیر تاریخی اور غیر حقیقی واقعات کو حضرت داتا گنج بخشؒ کے حالات زندگی میں داخل کر دیا گیا ہے اور تبلیغ اسلام کے سلسلے میں ان کے اخلاق عالیہ، پاکیزگی نفس، علم و فضل اور صوفیانہ طرزِ عمل کو تحقیق کی بنیاد بنانے کی بجائے مافوق الفطرت واقعات کے سہارے حضرت داتا صاحبؒ کو پیش کیا ہے۔

اب تک اس سلسلے میں جو کتابیں میرے مطالعے میں آئی ہیں اور جو کچھ میں نے اپنے صوفی راہنماؤں سے سمجھا ہے ان میں کچھ ایسے امور بھی سامنے آئے ہیں جن کے بارے میں اہل علم و دانش اور تصوف کے قدیم و جدید لٹریچر کے اساتذہ سے بات چیت کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ بعض باتیں من گھڑت معلوم ہوتی ہیں۔ بے خبری اور سادہ لوحی میں حضرت داتا صاحبؒ کی عظمت و فضیلت کو مجروح کرنے کے غیر شعوری عمل کا نتیجہ ہیں اور سالہا سال سے دہرائی جا رہی ہیں۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ حضرت داتا گنج بخشؒ کی تاریخ ولادت اور تاریخ وصال کے بارے میں کئی اختلافات موجود ہیں اور نہ ہی اس پر مکمل اتفاق ہے کہ وہ کب لاہور تشریف لائے۔ اسی طرح بعض محققین کشف المحجوب کے حوالے سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ وہ

برصغیر میں آنے کے لیے خوش نہیں تھے اور یہاں ان کی آمد ان کی مرضی کے خلاف تھی اور جب وہ اپنے مرشد کے حکم سے لاہور آئے تو حضرت زنجانی رحمتہ اللہ علیہ کا جنازہ جا رہا تھا اور تب حضرت داتا صاحبؒ کو معلوم ہوا کہ انہیں کس لیے لاہور بھیجا جا رہا ہے۔ اس کے علاوہ لاہور میں ان کے جادوگروں سے مقابلے کی داستان بھی سنائی جاتی ہے کہ لاہور کے گوالے حضرت داتا صاحبؒ کی آمد سے پہلے ایک ہندو جوگی کو دودھ کا نذرانہ پیش کرتے تھے اور جب حضرت داتا صاحبؒ نے گوالوں سے کہا کہ وہ اب انہیں دودھ دیا کریں تو گوالوں نے یہ عذر پیش کیا کہ اگر وہ ہندو جوگی کو دودھ نہ دیں تو ان کی گائے بھینسوں کے تھنوں سے دودھ کی بجائے خون نکلنے لگتا ہے اس لیے وہ دودھ دینے سے معذور ہیں۔ حضرت داتا صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اس کے جواب میں کہا کہ ہندو جوگی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں، تم دودھ مجھے ہی دیا کرو چنانچہ گوالوں نے حضرت داتا صاحبؒ کو دودھ دینا شروع کر دیا اور یوں ہندو جوگیوں سے ان کی ٹھن گئی۔ اس سلسلے میں یہ بھی حکایت بیان کی جاتی ہے کہ جب ہندو جوگی حضرت داتا صاحبؒ کو مرعوب کرنے کے لیے ان کے سامنے کھڑے کھڑے لمبا ہو گیا اور اس کا سر آسمان سے جا لگا تو حضرت داتا صاحبؒ نے اپنے پیروں سے جوتیاں اتار کر پھینکیں تو وہ اوپر فضا میں چلی گئیں اور ہندو جوگی کے سر پر پڑنے لگیں جس سے ہندو جوگی کا قد چھوٹا ہونا شروع ہو گیا اس سے ہندو جوگیوں میں دہشت پھیل گئی اور یوں حضرت داتا صاحبؒ کی کرامت سے آس پاس کے لوگ بڑے متاثر ہوئے اور حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

یہ واقعہ بظاہر سادہ لوح مسلمانوں کو متاثر کرنے میں بڑی قوت رکھتا ہے لیکن جن ذہنوں نے اسے تخلیق کیا ہے وہ اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ حضرت داتا صاحبؒ پیغمبر اسلام محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان سچے پیروکاروں میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں جن کا عمل اُسوۂ حسنہ کے عین مطابق تھا اور اُسوۂ رسولؐ روزمرہ کا ایک ایسا عمل ہے جس کا تعلق زندگی کے حقائق سے ہے نہ کہ نعوذ باللہ جادوگری یا شعبدہ بازی سے ہے اس لیے حضرت داتا صاحبؒ سے یہ واقعہ منسوب کرنا ان کے حسنِ عمل اور حسنِ فکر کی نفی کرنا ہے کیونکہ حضرت داتا صاحبؒ یہاں ایک زندہ جاوید پیغام لے کر آئے تھے ان کا مقصدِ حیات کسی جادوئی قوت کا اظہار نہیں تھا بلکہ رحم شفقت ہمدردی نیکی اور پاکیزگی کے اسلامی تصور کو عام کرنا تھا اور انہوں نے جادوئی اظہار سے لوگوں کے دلوں کو توحید الٰہی اور پیغام رسالت سے متاثر نہیں کیا، بلکہ اپنے اعلیٰ اخلاق اور روحانی بصیرت کے ساتھ دین اسلام سے اس خطہ کو مہکایا ہے۔ اسی طرح یہ کہنا کہ جب ان کے مرشد نے انہیں لاہور جانے کی ہدایت فرمائی تو وہ یہاں آنا نہیں چاہتے تھے اور اپنی مرضی کے خلاف انہیں برصغیر میں آنا پڑا۔ تعلیمات گنج بخشؒ سے بے خبری ہے کیونکہ صوفیانہ علوم کی رُو سے صوفی کا پابند رضا ہونا لازمی ہے اور وہ اپنے عمل میں اللہ تعالیٰ کی رضا کا پابند ہوتا ہے۔ ہر فعل اور قول معرفت الٰہی کے تابع ہوتا ہے اور ایک ایسا مقام حاصل کر لیتا ہے کہ وہ سراپا رضائے الٰہی بن جاتا ہے۔ وہ اپنے ارادے خواہشیں اور تمنا سے مکمل دستبردار ہو چکا ہوتا ہے اور حضرت داتا صاحب کی صوفیانہ تعلیمات میں بھی تسلیم و رضا کا نظریہ مرکزی حیثیت رکھتا ہے تو کیسے ممکن ہے کہ حضرت داتا صاحب جن کی شخصیت میں علم و تجربہ جمع ہو گئے تھے اپنے صوفیانہ کمال کی بلندیوں پر ہوتے ہوئے ذاتی پسند و ناپسند کا اظہار کیسے کر سکتے ہیں۔ وہ تو تصوف کے اس اعلیٰ ترین مقام پر فائز تھے جہاں صوفی سراسر مشیت الٰہی ہوتا ہے تو لاہور آنے کے لیے مرشد کی ہدایت ان کی مرضی کے خلاف کیسے ہو سکتی ہے۔ چنانچہ آئندہ صفحات میں یہ ثابت ہو جائے گا کہ حضرت داتا صاحبؒ کا لاہور تشریف لانا اور عین اس وقت حضرت شاہ زنجانیؒ کے جنازے کا جانا تاریخی طور پر غلط ہے۔ بعض تذکرہ نویسوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت داتا صاحب سلطان محمود غزنوی کی فوجوں کے ساتھ برصغیر میں آئے تھے حالانکہ تاریخی طور پر یہ بات بالکل ثابت نہیں ہوتی کیونکہ اس عہد کی تاریخ کی چھان بین کے بعد محققین نے لکھا ہے کہ حضرت داتا صاحبؒ سلطان مسعود بن ناصر الدین اول بن سلطان محمود کے عہد میں لاہور آئے تھے جب سلطنت غزنوی رُو بہ زوال تھی جس کی وجہ سے پنجاب مسلمانوں کے اثر سے پوری طرح نکل چکا تھا اور یہاں ایک بھی کلمہ گو موجود نہیں تھا جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ برصغیر میں ان کی آمد ان کی مرضی کے خلاف تھی محققین نے اس کا ثبوت کشف المحجوب میں سے دینے کی کوشش کی ہے اور حضرت داتا صاحبؒ کے اس ارشاد کو حوالے کے طور پر پیش کیا ہے کہ۔

"کتب من بہ حضرت غزنی ماندہ بود و من اندر دیار ہند از بلد، لاہور کہ از مضافات ملتان است درمیان ناجنساں گرفتار شدہ بودم"۔

میری کتابیں غزنی میں رہ گئی ہیں اور میں دیار ہند میں لاہور نامی جگہ پہ جو ملتان کے قرب و جوار میں ہے صحبت ناجنس میں پھنس گیا ہوں۔

اس بیان سے کہیں یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ لاہور میں ان کا قیام ان کی مرضی کے خلاف تھا۔ اور صحبت ناجنس میں گرفتار ہونے کا واضح مطلب اس دور کی ابتری اور لوگوں کی گمراہی سے ہے۔ اور مولانا عبدالماجد دریابادی نے گرفتار شدہ بودم کے ٹکڑے کے متعلق یہ رائے دی ہے کہ اس سے کچھ اخذ کرنا مشکل ہے کہ یہ الفاظ مجازاً استعمال کیے گئے ہیں یا حقیقتاً۔ لیکن اس سے یہ مراد نہیں لی جا سکتی کہ حضرت داتا گنج بخشؒ لاہور میں اپنی مرضی کے برعکس تشریف لائے تھے۔ بہر حال روایات میں اختلاف کے پیش نظر ایک طالب علم کے لیے تحقیق کا عمل قدرے مشکل ہے تاہم حضرت داتا صاحبؒ کی تعلیمات سے آگاہی اور کشف المحجوب کے عمیق مطالعے سے ہی حقائق کا فہم مل سکتا ہے۔ لیکن یہ اختلاف اس صورت میں ثانوی حیثیت رکھتے ہیں اصل مقصد ان کی شخصیت اور تعلیمات کو ان اختلافات کی گرد سے بچانا ہے۔

شجرہ نسب

ہاشم۔
عبدالمطلب۔
سیدنا عبداللہ۔
حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔
سیدہ فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔
امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
حضرت زیدؒ
سید حسن اصغرؒ
سید ابوالحسن علیؒ
شاہ شجاعؒ
سید عبدالرحمٰنؒ
سید علیؒ

سید عثمانؒ
سید مخدوم علی گنج بخشؒ

شجرہ طریقت

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
حضرت خواجہ حسن بصریؒ۔
حضرت خواجہ حبیب عجمیؒ۔
حضرت داؤد طائیؒ۔
حضرت خواجہ معروف کرخیؒ۔
خواجہ سری سقطیؒ
حضرت جنید بغدادیؒ۔
حضرت ابوبکر شبلیؒ۔
حضرت شیخ حصری مکیؒ۔
شیخ ابوالفضل بن حسن ختلیؒ
حضرت علی بن عثمان المعروف داتا گنج بخشؒ

حضرت داتا گنج بخشؒ کا اسم گرامی ابوالحسن بن علی بن عثمان بن علی الغزنوی ہے آپ ۴۰۰ھ ہجری میں غزنی میں پیدا ہوئے اس وقت غزنی بہت بڑی علمی درس گاہ تھی اور پورے وسطی ایشیا میں غزنی کو زبردست اہمیت حاصل تھی۔ سلطان محمود غزنوی کی فتوحات کے نتیجے میں غزنی کو جو ترقی حاصل ہوئی اس میں اہل دانش کا بھی غیر معمولی ہاتھ ہے جنہیں سلطان محمود غزنوی علم و فن کی خدمت کے جذبے کے ساتھ دور دور سے تلاش کر کے غزنی میں لایا تھا اور یہ شہر دنیائے اسلام میں عزت و توقیر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ حضرت داتا گنج بخش رحؒ جن کی ولادت غزنی کے سید گھرانے میں ہوئی علم و فضل کے اعتبار سے غزنی کے ممتاز گھرانوں میں شمار ہوتا تھا اس وقت باکمال مفکر و دانشور اور علماء و حکما غزنی میں موجود تھے اور آپ کا خاندان غزنی کی نواحی بستیوں جلاب اور ہجویر میں قیام پذیر تھا اس لیے آپ نے انہی دو بستیوں میں اپنا بچپن گزارا۔ اسی لیے ان کے نام کے ساتھ ہجویری اور جلابی بھی لکھا جاتا ہے۔ آپ کے خاندان کی روحانی عظمت مسلمہ تھی اور غزنی میں حضرت داتا گنج بخشؒ کے خاندان کے زہد و تقویٰ کی بڑی شہرت تھی۔ آپ کی تربیت آپ کی والدہ اور ماموں تاج الاولیا کے زیر نگرانی ہوئی جو اپنے وقت کے باکمال صوفی اور روحانی پیشوا تھے۔ آپ کے والد، والدہ اور ماموں کی قبریں غزنی میں آج بھی سرچشمۂ فیضان ہیں۔

حضرت داتا گنج بخشؒ نے غزنی میں موجود اس وقت کے جید علما سے اکتساب علم کیا جن میں ابوالعلا عبدالرحیم کا ذکر آپ نے کشف المحجوب میں انتہائی عقیدت سے ان الفاظ میں کیا ہے کہ۔

"خواجہ بزرگوار تمام علوم میں دسترس رکھتے تھے اور میرا دل ان سے بہت خوش تھا"

اسلام کے مروجہ علوم فقہ حدیث اور مسلمہ عقائد کے بارے میں حضرت داتا گنج بخشؒ نے تعلیم غزنی میں حاصل کی۔ جیسے جیسے علم کے دروازے ان پر کھلتے گئے اور ان کی بلندیٔ فکر کو نئی وسعتوں کی ضرورت محسوس ہوئی، علم کی فضیلتوں کی جستجو انہیں غزنی سے باہر لے آئی۔ حضرت داتا صاحبؒ نے کہیں بھی اس امر کی طرف اشارہ نہیں کیا کہ تصوف کی طرف وہ کب اور کیسے مائل ہوئے۔ چنانچہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ تصوف کی طرف ان کا رجحان کسی اتفاقیہ تحریک کا نتیجہ نہیں، بلکہ اللہ تعالےٰ نے انہیں صوفی ہی پیدا کیا تھا کیونکہ جس گھرانے میں وہ پیدا ہوئے اپنے ماحول اور بنیادی عقائد کی رُو سے اہل اللہ کا گھرانہ تھا۔ خدا کی وحدانیت کا تصور انہیں اپنی والدہ کی آغوش سے ہی ملا تھا قرآن و حدیث کے مطالعے سے ان کے تصور الٰہی میں جو نکھار پیدا ہوا اور حقیقت خداوندی کی جس جھلک سے ان کے قلب و نظر کو جو روشنی ملی اس کے مرکز کی کشش انہیں غزنی سے باہر لے آئی بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ مشیت الٰہی کی بجا آوری کے لیے انہوں نے وطن کی سرزمین کو خیرباد کہا اور ان منزلوں کی طرف روانہ ہو گئے جو انجانی تھیں۔ یہ وہ دور تھا جب ذرائع آمد و رفت آسان نہ تھے لوگ قافلوں یا فوجی دستوں کے ساتھ سفر کرتے تھے کسی ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرنا ایک تنہا شخص کے لیے آسان نہ تھا۔ نہ راستے واضح تھے اور نہ منزلیں روشن تھیں۔ لیکن ان راستوں پر صرف مشیت الٰہی ہی ان کی راہ نما تھی جو کسی عظیم مقصد کی تکمیل کے لیے حضرت داتا صاحب کی راہبری کر رہی تھی۔

راستے اور منزلیں

اس دور میں بغداد اہل علم کی نگاہوں کا مرکز تھا اور بغداد ہی سے تحصیل علم کے بعد لوگ دنیا میں علم کی روشنی لے جاتے تھے۔ اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ حضرت داتا صاحبؒ سب سے پہلے کہاں تشریف لے گئے۔ لیکن کشف المحجوب میں ان کے اس سفر کے واقعات کی ترتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے سفر کا منتہائے مقصود باطنی اور ظاہری علوم سے مکمل طور پر آگاہ ہونا تھا اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت داتا صاحبؒ کی زندگی کا بیشتر حصہ سفر میں گزرا ہے۔ انہیں جہاں بھی کسی صاحب علم و دانش کا پتا چلا آپ دشوار گزار راستوں کو عبور کر کے وہاں پہنچ گئے اور دینی تکمیل کے مراحل طے کرنے کے لیے ایک مقام سے دوسرے مقام تک سرگرم سفر رہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی منشا ہی یہی تھی کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی قربت سے نوازنے کے لیے ہر مرحلے کے تجربے سے آشنا کر دے تاکہ وہ حق کی شناخت کے سلسلے میں حق سے بے خبر دنیا کو فہم و بصیرت عطا کر سکیں۔ کیونکہ علم الٰہی کے امانت دار وہی قرار دیئے جاتے ہیں جو اپنی اہلیت کو اپنے عمل سے ثابت کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ نے حضرت داتا صاحبؒ کو جن ظاہری اور باطنی تجربوں سے گزارا وہ انسانی استقامت اور مستقل مزاجی کے معاملات میں بے مثال ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی ذات میں علم اور تجربے کو جمع کرنے کا جو پروسس متعین کیا وہ صوفیانہ عمل کا ایک ناگزیر حصہ ہے۔ حضرت داتا صاحبؒ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ علم اور تجربے کی داستان ہے جو ان کی تعلیمات کے جوہر میں چھپی ہوئی ہے کبھی ایک تجربے کے لیے وہ سالوں تک وسطی ایشیا میں گھومتے رہے اور کبھی علم کی گتھیاں سلجھانے کے لیے انہیں شام سے ترکستان اور ترکستان کے ساحل سے لے کر بحیرہ قزوین تک کی گردش سفر میں رہنا پڑا۔ کئی سمندروں صحراؤں، شہروں، بستیوں اور پہاڑوں کے بلبے راستوں کو عبور کیا۔ تکمیل معرفت کے مرحلوں میں ہزاروں دکھوں کے زخم اٹھائے اور تلاش حقیقت میں انہوں نے آذربائیجان، بسطام، دمشق، رملہ، طوس، جہنہ اور جبل السلام کے درمیان ان گنت

سفروں کے آلام سہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جس اعلیٰ روحانی تجربے سے آشنا کرنا تھا اس کی تمام تر جزئیات سے آگاہی اور ان کے مکمل شعور کے لیے حضرت داتا صاحبؒ کو ایک طویل عرصہ تک آزمائش و ابتلا سے گزرنا پڑا اس دوران انہوں نے صرف خراسان میں تین سو اہل علم و فضل حضرات سے ملاقاتیں کیں ان کے حلقہ ارشاد میں رہے اور ہر مقام کے صوفیائے کرام سے فیض حاصل کیا اپنے عہد کے نظریات و تصورات کا عمیق مطالعہ کیا اور قرآن و سنت کی روشنی میں اپنے شوق سفر کو جاری رکھا۔

اساتذۂ تصوف

علوم شریعت و طریقت کے حصول میں وہ جن مشاہیر صوفیہ سے ملے ان میں سے حضرت داتا صاحبؒ نے کئی ایک اکابر صوفیہ کا ذکر کشف المحجوب میں کیا ہے ان میں سے حضرت ابو العباس احمد بن اشقانی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ مجھے ان سے بڑی محبت تھی وہ بھی مجھ پر بے انتہا مہربان تھے اور ہر علم میں کامل تھے اور میں نے ان سے بڑھ کر کسی کو شریعت کی تعظیم کرتے نہیں دیکھا۔ ان کی باتیں بہت ہی پیچیدہ اور دقیق ہیں اور امام و محقق کے علاوہ کوئی دوسرا ان سے فائدہ حاصل نہیں کر سکتا وہ معرفت کے اس مقام پر تھے جہاں دنیا اور آخرت سے مکمل بیزاری ہو جاتی ہے وہ ہمیشہ یہی کہا کرتے تھے۔ میں ایسی فنا چاہتا ہوں جس میں وجود کا شائبہ تک نہ ہو۔ ایک اور واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دن شیخ ابو العباسؒ کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے دیکھا کہ ضَرَبَ اللہُ مَثَلاً عَبْداً مَّمْلُوکاً لَّا یَقْدِرُ عَلیٰ شَیْءٍ پڑھتے جا رہے ہیں اور رو رہے تھے، پھر انہوں نے ایسا نعرہ لگایا جس سے مجھے خطرہ ہوا کہ وہ وفات پا جائیں گے۔ میں نے پوچھا۔ یا شیخ! یہ کیا حالت ہے؟ فرمانے لگے آج گیارہ سال ہو گئے ہیں اسی مقام پر ہوں اور ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکا۔

شیخ ابو العباس اشقانیؒ کے روحانی مرتبے کو بیان کرتے ہوئے حضرت داتا صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ایک دن شیخ ابو سعید ابو الخیر نیشاپور میں اپنی خانقاہ میں بیٹھے تھے کہ نیشاپور کے اکابر سادات میں سے ایک بزرگ سلام کے لیے آئے اور ان کے پہلو میں بیٹھ گئے، اتفاق سے شیخ ابو العباس اشقانیؒ بھی تشریف لے آئے شیخ ابو سعید ابو الخیر نے سید بزرگ سے فرمایا۔

"ہم تمہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے دوست رکھتے ہیں اور انہیں (شیخ ابو العباس اشقانیؒ) کو اللہ کی وجہ سے دوست رکھتے ہیں۔"

حضرت ابو القاسم بن علی گرگانی رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ ارشاد سے منسلک ہونے کے بارے میں بھی حضرت داتا صاحبؒ نے لکھا ہے، حضرت گرگانی رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ حضرت جنید بغدادیؒ سے ملتا ہے اور حضرت داتا صاحبؒ بعض انتہائی مشکل معاملات میں راہنمائی کے لیے ان کے پاس حاضر ہوا کرتے تھے حضرت گرگانیؒ کے بارے میں حضرت داتا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ قطب زمانہ تھے اور اس زمانہ میں ہر دل ان کی طرف متوجہ تھا۔ تمام طالبان وقت ان سے بے انتہا عقیدت رکھتے تھے۔ ان کی قربت حاصل کرنے کی شرائط بہت سخت تھیں۔ تمام علوم پر مکمل دسترس رکھتے تھے اور ان کا ایک ایک مرید اس دنیا کی زینت تھا۔ علوم کو سمجھانے اور فہم میں اتارنے کی زبردست قوت رکھتے تھے اور فصاحت و بلاغت میں یکتا تھے۔ حضرت داتا صاحبؒ کی ان سے ملاقات ابتدائی مراحل میں ہوئی جب وہ نفی و اثبات اور وجود و عدم کے معاملوں میں گم تھے حضرت داتا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں ان کے سامنے بیٹھا اپنے احوال کا اظہار کر رہا تھا۔ انہوں نے انتہائی شفقت سے میری باتیں سنیں اور میرے معاملے کو بچپن کے غرور اور جوانی کی حرارت پر محمول قرار دیا چونکہ یہ بزرگ ابتدا میں اس کوچہ سے نہیں گزرے تھے اس لیے میرے بارے میں عجز و انکسار کا مظاہرہ کر رہے تھے لیکن وہ ناقد وقت تھے اور میری دلی کیفیت سمجھ گئے اور فرمانے لگے۔

"تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ میرا یہ انکسار تمہارے لیے نہیں بلکہ تمہارے حال کے ساتھ ہے۔ کیونکہ حال کو بدلنے والا محال کے محل میں آتا ہے اور میرا یہ انکسار اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور یہ سب طالب علموں کے لیے عام ہے نہ کہ خاص تمہارے لیے۔"

حضرت داتا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر میں از خود رفتہ ہو گیا۔ انہوں نے میرے باطن پر نگاہ ڈالی اور فرمایا۔

"بیٹے! آدمی کو طریقت سے اس سے زیادہ نسبت نہیں ہوتی کہ جب اسے طریقت کی طرف لگائیں تو اس کے گمان کو پھیر دیں۔ جب اسے اس گمان سے پھیر دیا تو اس پر خیالی تعبیر کی راہ بند کر دیں۔ لہذا نفی و اثبات اور اس کا وجود و عدم دونوں خیالی ہیں۔ آدمی ہر گز خیال کی بندش سے باہر نہیں نکل سکتا لہذا لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی اختیار کرے۔ اپنے سے تمام نسبتوں کو الگ کر دے۔ صرف بندگی اور فرمانبرداری کی نسبت برقرار رکھے۔"

فنا اور بقا کے صوفیانہ نظریئے کی صحت کے سلسلے میں حضرت داتا صاحب رحؒ نے حضرت ابو احمد المظفر بن حمدان رحمۃ اللہ علیہ سے فیض حاصل کرنے کے بارے میں لکھا ہے کہ خواجہ مظفرؒ کو بارگاہ الٰہی کا قرب براہ راست خدا سے ملا تھا ان پر تصوف کے دروازے کھلے ہوئے تھے اور مسند کرامت پر جلوہ افروز تھے۔ فنا و بقا میں ان کے ارشادات نہایت عمدہ اور تعبیر بلند تھی وہ ان اکابرین میں سے تھے جنہوں نے مشاہدے سے مجاہدہ کیا۔ ایک دن میری موجودگی میں نیشاپور کا ایک مدعی آیا اور ان کے ایک جملے کے سلسلے میں کہنے لگا۔ "فانی ہو جانے کے بعد باقی ہو جاتا ہے۔" خواجہ مظفر نے فرمایا فنا پر بقا کی کیا صورت ہے جبکہ فنا معدوم ہونے کو کہتے ہیں اور بقا موجود کو۔ ان میں سے ہر ایک دوسرے کی نفی کرنے والا ہے لہذا فنا معدوم ہے کیونکہ شے ناپید ہو جاتی ہے اگر وہ موجود رہ جائے تو وہ عین شے نہیں ہو سکتی بلکہ وہ بجائے خود دوسری چیز ہو گی اور یہ جائز نہیں کہ ذات و ایمان فنا ہو جائیں۔ لیکن فنائے صفت اور فنائے سبب جائز ہے۔ لہذا جب سبب اور صفت ناپید و فنا ہو گئیں تو موصوف و مسبب رہ گیا اور اس کی ذات پر فنا جائز نہیں۔

خواجہ مظفر رحمۃ اللہ علیہ سے اپنی ایک اور ملاقات کا حال لکھتے ہوئے حضرت داتا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ان دنوں میں برے حال کے ساتھ سفری کپڑوں میں ملبوس ان کے پاس کرمان میں حاضر ہوا۔ انہوں نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔ اے ابو الحسن کہو کہ میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں۔ میں نے عرض کیا۔ "میں سماع چاہتا ہوں۔" اسی وقت خواجہ مظفر نے قوال بلوائے اور ابھی چند بول ہی سنے تھے کہ سوز محبت نے مجھے مضطرب و بے تاب بنا دیا اور میں غلبہ و جوش میں آ گیا۔ جب کچھ وقفے کے

بعد میرے حواس درست ہوئے تو خواجہ مظفر نے فرمایا:
"کہو سماع کے بارے میں کیا حال ہے؟"
اے شیخ! بہت پُرمسرت ہوں، میں نے جواب دیا۔ خواجہ مظفرؒ نے فرمایا ایک وقت ایسا آتا ہے کہ یہ سماع اور کوؤں کی آواز دونوں برابر ہو جاتی ہیں کیونکہ سماع کی طاقت اس وقت تک ہے جب تک کہ مشاہدہ نہ ہو اور جب مشاہدہ حاصل ہو گیا تو قدرت سماع ناپید ہو جاتی ہے۔ دیکھو ایسی عادت اختیار نہ کرو کہیں طبیعت نہ بن جائے اور مشاہدہ سے رہ جاؤ۔"

حضرت ابوالقاسم گرگانی رحمتہ اللہ علیہ جو حضرت شیخ جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ تین واسطوں سے نسبت رکھتے ہیں، حضرت داتا صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے ان سے بھی علوم و معارف کا درس لیا اور ان سے ملاقات کے لیے کئی بار طوس کا سفر اختیار کیا۔ حضرت داتا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ایک واقعہ ایسا پیش آیا کہ اس کا حل کرنا مشکل ہو گیا۔ میں نے شیخ ابوالقاسم گرگانی رحمتہ اللہ علیہ کی زیارت کرنے کے لیے طوس جانے کا ارادہ کیا۔ وہاں پہنچا تو میں نے ان کو اپنے مکان کی مسجد میں تنہا پایا اور وہ میرے اس واقعہ کو بعینہٖ مسجد کے ایک ستون سے بیان کر رہے تھے۔ میں نے عرض کیا:

"اے شیخ! یہ بات آپ کس سے فرما رہے تھے؟" انہوں نے جواب دیا:
"میرے بیٹے! اللہ تعالیٰ نے اسی وقت اس ستون کو مجھ سے بات کرنے کا حکم فرمایا تھا تاکہ وہ مجھ سے سوال کرے۔"

اسی طرح حضرت داتا صاحبؒ نے حضرت ابوالقاسم قشیریؒ، ابوعبداللہ محمد بن علیؒ، ابوالعباس احمد بن قصابؒ اور ابوسعید ابوالخیرؒ سے بھی اپنی ملاقاتوں کا ذکر کیا ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ علوم و معارف کے سلسلے حضرت داتا صاحبؒ کی جستجو اور تلاش کی راہیں بہت دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں جو ظاہر کرتی ہیں کہ حضرت داتا صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قربت سے نوازنے اور علوم و حقائق سے بہرہ ور کرنے کے لیے کیسے کیسے عظیم الشان استادوں کی صحبت عطا فرمائی۔ اس تمام جہد و عمل کے پیچھے جو قوت کارفرما نظر آتی ہے اس کی رہنمائی میں حضرت داتا صاحبؒ کی حصول علم کی کوششوں کا فہم حاصل ہو سکتا ہے۔ اور ان کے مقصد حیات کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ علم کی پیاس بغیر کسی مقصد کے نہیں ہو سکتی اور انسان علم اسی وقت حاصل کرتا ہے جب اس کے پیش نظر کوئی مقصد ہو کیونکہ علم صرف راستے کا چراغ ہے اور بذات خود کوئی منزل نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا حضرت داتا صاحبؒ کو علم کے حصول کے لیے ایک جگہ سے دوسری جگہ پھرانا اور اس عہد کے جلیل القدر اولیائے کرامؒ کی صحبتوں کے نور سے مالا مال کرنے کا ایک ہی مقصد تھا کہ حضرت داتا صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ اپنی قربت کے خاص مقام سے نوازنا چاہتا تھا۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایسا سب کچھ روز ازل سے ہی طے تھا کہ حضرت داتا صاحبؒ کو ان تمام احوال و مقامات سے آشنا کرا دیا جائے جو خدا کی تلاش میں سرگرم سفر برگزیدہ انسانوں کو صوفیانہ عمل کے دوران پیش آتے ہیں، تاکہ وہ توحید الٰہی تک رسائی حاصل کرنے والوں کی راہنمائی کر سکیں احوال و مقامات کے ان نازک ترین مرحلوں سے آگاہ کر سکیں جن کی تفہیم کے عمل کے دوران ہر گام پر بھٹک جانے کا اندیشہ ہوتا ہے اس کے علاوہ شریعت کی حدود میں خدا پرستانہ زندگی بسر کرنے کے ضوابط کی پابندی لازم قرار دینے کے لئے حضرت داتا صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ علامت بنا کر پیش کرنا چاہتا تھا اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ حضرت داتا صاحبؒ کے جہد و عمل کی داستان اس امر کی تصدیق کرتی ہے کہ وہ یاد الٰہی سے لمحہ بھر کے لیے بھی غافل نہ رہے۔ نماز، روزہ حج اور دوسرے تمام ارکان اسلام کی سفر و حضر میں مکمل پابندی فرماتے رہے روحانی زندگی اختیار کرنے کے لیے قرآن و سنت کے احکام کی پیروی ان کا شعار حیات تھی اور جن امور سے اجتناب کی ہدایت کی گئی ہے ان کے قریب تک سے نہ گزرے۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے مشاہدے سے سرفراز فرمانے کے لیے مجاہدہ و ریاضت کی بھٹی سے گزارا اور علوم ربانی کے انکشاف سے پہلے انہیں تمام مخفی اور سربستہ حالتوں سے گزارا۔

انکشاف معرفت سے پہلے کی حالتوں میں سے ایک کا ذکر حضرت داتا صاحب نے ان الفاظ میں کیا ہے کہ ایک مرتبہ ایک مسئلے کی گہرائی میں جانے کے لیے انہوں نے شیخ ابو یزید المعروف بایزید رحمتہ اللہ علیہ کے مزار (واقع بسطام) پر تین مہینے تک مراقبہ کیا۔ آئمہ طریقت میں حضرت ابو یزید رحمتہ اللہ علیہ کے متعلق حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ صوفیائے کرام میں ابو یزیدؒ کی شان ایسی ہے کہ جیسے فرشتوں میں جبریل علیہ السلام کی ہے اور ملت کے صوفیانہ نظریہ میں ان کی تحقیق مستند تسلیم کی گئی ہے۔ حضرت داتا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ شیخ ابو یزید رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر مراقبہ کرنے سے بھی کشف حاصل نہ ہوا اور مشکل حل نہ ہو سکی۔ حضرت داتا صاحبؒ اسی عالم میں بسطام سے خراسان کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں ایک گاؤں میں قیام کے دوران انہیں "نقلی صوفیوں" کی ایک جماعت نظر آئی۔ اس وقت حضرت داتا صاحبؒ کے جسم پر موٹا کھردرا اور بہت معمولی لباس تھا۔ ایک ہاتھ میں عصا اور دوسرے میں پانی کے لیے برتن تھا۔ اس کے علاوہ ان کے پاس کوئی دوسرا سامان نہ تھا۔ نقلی صوفیوں کی اس جماعت نے حضرت داتا صاحبؒ کو اس تباہ حال میں دیکھ کر حقارت کا مظاہرہ کیا اور کسی کی نگاہ بھی کھردرے، موٹے اور عام سے لباس سے آگے نہ جا سکی۔ حضرت داتا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ان میں سے کسی ایک نے بھی مجھے نہ پہچانا اور ان میں سے ایک کہنے لگا۔ "یہ ہم میں سے نہیں ہے (حقیقتاً میں ان میں سے نہیں تھا) البتہ انہوں نے رات گزارنے کے لیے مجھے خانقاہ کے نچلے حصہ میں رہنے کی اجازت دے دی اور خود بالائی منزل پر ٹھہر گئے کھانے کا وقت ہوا تو انہوں نے مجھے ایک سوکھی روٹی کھانے کے لیے دی۔ اور میں ان کھانوں کی خوشبوئیں سونگھتا رہا جو وہ کھا رہے تھے اور ساتھ ساتھ میرے بارے میں باتیں بھی کر رہے تھے۔ کھانے سے فارغ ہو کر وہ خربوزے کھانے لگے اور خربوزوں کے چھلکے مجھ پر پھینکنے کے ساتھ ساتھ مجھ پر طنز بھی کرتے رہے۔ وہ جس قدر تند و تیز طنز کرتے اتنا ہی میرا دل سکون محسوس کرتا اور اس ملامت سے وہ مشکل حل ہو گئی جو شیخ ابو یزید کے مزار پر مراقبہ کرنے سے حل نہ ہوئی تھی اور مجھے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جلیل القدر مشائخؒ ان جاہلوں کو کیوں جگہ دیتے ہیں۔"

حضرت علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکمت افروز ذہن اور ادراک و وجدان کی بے پناہ قوتیں عطا ہوئی تھیں اور وہ اپنی ولادت کے وقت سے ہی باطنی مشاہدات کی فضاؤں میں پرواز

کرتے تھے لیکن دنیا میں مثال اور نمونہ بنانے کے لیے رب ذوالجلال نے انہیں ان تمام مراحل سے گزارا جو شریعت و طریقت کے وارفتگان کو پیش آسکتے ہیں۔ اس لیے تصوف کے رموز و اشارات اور شریعت کے احکامات کی وضاحت کے لیے حضرت داتا صاحبؒ کا تقرر ایک واضح ربانی فیصلہ تھا چنانچہ حضرت داتا صاحبؒ کا اس دور کے مختلف صوفیہ کے گروہوں کے رسوم و رواج اور اعتقادات کا مطالعہ کرنے اور توحید الٰہی سے وابستگی کے جوانمرد آرزومندوں کی راہنمائی کا فریضہ ادا کرنے کے لیے جیّد صوفی معلموں سے قدم قدم پر ہدایت حاصل کرنے کا ان کا عمل صداقت کی ایسی روشنی ہے جو ابد تک تاریک دلوں کو منور کرتی رہے گی اور انسانیت کا حق ادا کرنے والوں کی مددگار رہے گی۔ حضرت داتا صاحبؒ نے جس جان سوز محنت اور فروزاں جذبے سے تحقیق و جستجو فرمائی آپ نے اس کے بہت ہی کم حصے کا تذکرہ کشف المحجوب میں فرمایا ہے۔ تاہم اس سلسلے میں جتنا کچھ بھی حاصل ہوتا ہے وہ ان کی شخصیت، کردار و عمل اور نظریۂ شریعت و طریقت کی مکمل عکاسی کرتا ہے اور ہر واقعہ اپنی جگہ حکمت و اسرار کا مکمل اظہار ہے ان واقعات میں ترتیب کی کڑیاں ملانا تو مشکل امر ہے لیکن تصوف کے مختلف مسائل کی تحقیق کے سلسلے میں انہوں نے جو ذاتی مشاہدات اور صوفی اساتذہ کے ارشادات بیان فرمائے ہیں وہ ان کے ذہنی ریاضت کی سچائی کی نمائندگی کرتے ہیں اور ساتھ ہی اس کی شہادت بھی دیتے ہیں کہ تصوف کی جڑیں بہت مضبوط اور ثمرآور ہیں۔ لیکن سچائی، مکمل لگن، محنت، ریاضت اور شریعت کی بے ریا پابندی کا تقاضہ بھی کرتے ہیں۔

تصوف اپنے نظم و ضبط اور قوانین کی رُو سے کسی ایک شعبے پر مبنی نہیں بلکہ کائنات ہی کی طرح بے کراں اور بے حد وسیع ہے۔ اس کے علاوہ اس کی بگڑی ہوئی شکلوں کا بھی کوئی شمار نہیں اور حضرت داتا صاحبؒ کی شخصیت کا مربوط انداز سے مطالعہ کرنے سے یہ راہنمائی حاصل ہوتی ہے کہ انہوں نے تصوف کے ہر شعبے کا گہرا مطالعہ کیا اور ایک سچے طالب علم کے خلوص اور جذبۂ جستجو کے ساتھ اس کی اتھاہ گہرائیوں میں اتر گئے۔

حضرت داتا صاحبؒ کا اپنے عہد کے مشاہیر صوفیہ سے تعلق اور ان سے درسِ حیات حاصل کرنے کا عمل سلسلہ وار ہے اور اس میں کوئی تعطل یا ٹھہراؤ نظر نہیں آتا۔ انہوں نے جن چند واقعات کو اپنے حوالے سے بیان فرمایا ہے وہ اس بات کا ثبوت مہیا کرتے ہیں کہ اگر انہیں کسی مسئلے کے فہم میں دقت پیدا ہوئی یا اپنے حال کی تصدیق کا مسئلہ درپیش آیا تو وہ اگر شام میں ہیں تو اسی وقت اسی استاد کی خدمت میں حاضر ہو گئے جو اس خاص مسئلے میں یکتا تھے اور شام سے سینکڑوں میل دور کسی اور علاقے میں تھے۔ حضرت شیخ ابوالقاسم گرگانی رحمتہ اللہ علیہ طوس میں رہا کرتے تھے اور حضرت داتا صاحب اکثر بعض امور پر استفسار کے لیے طوس جایا کرتے تھے۔ حضرت داتا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ وہ شیخ ابوالقاسم گرگانی رحمتہ اللہ علیہ سے ملنے طوس گئے تو ان کی محفل میں صوفیوں کی ایک دوسری جماعت بھی موجود تھی ان کی موجودگی میں حضرت داتا صاحبؒ نے شیخ ابوالقاسم گرگانی رحمتہ اللہ علیہ سے استفسار کیا کہ درویش کے لیے کم سے کم کونسی چیز درکار ہے جو راہِ فقر میں ضروری ہے۔ حضرت شیخ ابوالقاسم گرگانی نے فرمایا۔

"تین چیزیں فقر و درویشی کے لیے ضروری ہیں اور ان سے کم پر نام فقر زیب نہیں دیتا۔ پہلی یہ کہ گدڑی میں پیوند کی سلائی درست کرے، دوسری یہ کہ سچی بات سننا پسند کرے اور تیسری یہ کہ زمین پر پاؤں ٹھیک رکھے یعنی غرور و تکبر کی چال نہ چلے۔"

یہ جواب صوفیوں کی دوسری جماعت نے بھی سنا اور جب حضرت داتا صاحب اس جماعت کے ساتھ محفل سے باہر آئے تو ان میں سے ہر ایک حضرت شیخ گرگانیؒ کے اس ارشاد کو اپنے مطلب کے معنی پہنا رہا تھا اور جاہل صوفیوں کے ایک طبقہ نے اس پر خوشی کا اظہار کیا کہ فقر کی بڑی آسان راہیں مل گئی ہیں چنانچہ اس کے بعد بہت ساروں نے اپنی گدڑیوں میں پیوند لگانے شروع کر دیئے اور زمین پر داہنا پاؤں مارنے کا شغل اختیار کر لیا۔ ہر ایک اسی وہم میں مبتلا ہو گیا کہ وہ فقر کو سمجھتا ہے۔ حضرت داتا صاحبؒ جن کے ذہن میں صرف شیخ گرگانیؒ کا ارشاد تھا۔ انہوں نے اس ارشاد میں پوشیدہ حکمت کو ضائع ہوتے دیکھا تو ان سب سے بحث کی اور کہا۔

"آؤ ہم اس مسئلے پر مل کر تبادلۂ خیالات کرتے ہیں۔" چنانچہ اپنے اپنے فہم کے مطابق ہر ایک نے اس ارشاد کی تشریح کی اور جب حضرت داتا صاحبؒ کی باری آئی تو انہوں نے کہا۔

"گدڑی میں درست پیوند لگانے کا مطلب یہ ہے کہ فقر کے لیے پیوند لگایا جائے نہ کہ زیب و زینت کے لیے اور جب فقر کے لیے پیوند لگایا جائے گا تو اچھا سلا ہوا نہ ہونے کے باوجود فقر میں درست ہوگا۔ سچی بات سننے کا خوگر ہونے کا مطلب حال کے لیے ہے نہ کہ وجود و ہستی کے لیے ہے اور پاؤں ٹھیک سے زمین پر رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ وجد کی خاطر زمین پر پاؤں ٹھیک سے رکھا جائے نہ کہ کھیل کود اور تماشہ کے لیے۔" حضرت داتا صاحب کی یہ تشریح بعض صوفیوں نے حضرت شیخ گرگانیؒ کی خدمت میں بیان کی تو انہوں نے کہا یہ راہ راست پر ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں پسند فرمایا ہے۔"

حضرت داتا صاحبؒ ماوراءالنہر میں قیام پذیر تھے کہ ان کی ملاقات فرقہ ملامتیہ کے ایک پیروکار سے ہوئی اور انسان جو چیز کھا سکتا ہے اور پہن سکتا ہے وہ ان میں سے کچھ نہیں کھاتا تھا اور نہ پہنتا تھا۔ وہ صرف وہی چیز کھاتا تھا جسے لوگ پھینک دیتے تھے اور ایسی گدڑی پہنے ہوئے تھا جسے راستوں سے چیتھڑے چن کر پاک کر کے بنایا جاتا ہے۔ حضرت داتا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے اس ملامتیہ فرقہ کے پیروکار کے اس عمل سے اپنے احوال کی حفاظت اور نگہبانی کی حکمت حاصل کی۔

ایک دن حضرت داتا صاحبؒ اپنے مرشد کے ساتھ آذربائیجان کی طرف جا رہے تھے کہ راستے میں گندم کے خرمن پر انہوں نے دو تین گدڑی پوشوں کو دیکھا جو دامن پھیلائے کھڑے تھے اور کاشتکار گندم کے دانے ان کے دامن میں ڈال رہے تھے۔ حضرت داتا صاحبؒ ابھی اس کی حقیقت پر غور کر رہے تھے کہ مرشد نے ان کی طرف متوجہ ہو کر یہ آیت کریمہ پڑھی۔ "یہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی تو انہیں اس سودے میں کوئی نفع نہ ہوا اور نہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔"

حضرت داتا صاحبؒ نے استفسار کیا۔ "یا شیخ! یہ لوگ کس وجہ سے اس بے عزتی میں مبتلا ہیں کہ سرِعام ذلیل و رسوا ہوتے ہیں؟" مرشد نے جواب دیا "ان کے پیروں کو جمع کرنے کا لالچ ہے اور انہیں دنیاوی مال جمع کرنے کی حرص ہے۔ کوئی حرص دوسری حرص سے بہتر نہیں اور بغیر امرِ حق دعوت دینا خواہشات کی پیروی کرنا ہے۔" اسی سلسلہ میں حضرت داتا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ انہیں نظریۂ ملامت کے جھوٹے دعویداروں میں سے ایک کی محفل میں جانے کا اتفاق ہوا۔ اس دن شریعت و طریقت کے سلسلے میں اس سے ایک معاملہ خراب سرزد ہوا اور جواز یہ پیش کیا کہ یہ ملامت کے لیے تھا۔ محفل میں سے کسی نے اس کے دعوے کو رد کرتے ہوئے کہا کہ یہ کوئی چیز نہیں، یہ سن کر وہ طیش میں آگیا۔ حضرت داتا صاحبؒ نے اس سے کہا۔ "اگر تمہارا دعویٰ واقعی ملامت کے لیے تھا تو اس جوانمرد کا تجھ سے اتفاق تیرے مسلک کی تائید کے مترادف ہے اور جب وہ تجھ سے اتفاق کرتا ہے تو تمہارا طیش میں آنا بے معنی ہے۔ لہٰذا تمہارا یہ قصہ ملامت کی نسبت دعویٰ سے مشابہ ہے اور کسی کا ظاہری فرائض سے پہلوتہی کرنا دائرہ اسلام سے خارج ہونے کے برابر ہے۔" معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں نظریۂ ملامت کے بے بصیرت پیروکاروں کا ماوراءالنہر میں بڑا زور تھا۔ حضرت داتا صاحبؒ نے ماوراءالنہر میں ایک اور ملامتی سے اپنی بات چیت کا تذکرہ کیا ہے۔ حضرت داتا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ وہ ملامتی بہت ہی خوش ہوا اور باتوں باتوں میں حضرت داتا صاحبؒ نے اس سے کہا "ان افعالِ بد سے تیری کیا مراد ہے؟" اس نے جواب دیا۔ "لوگوں سے پیچھا چھڑانے کے لیے۔" اس پر حضرت داتا صاحب نے دل میں سوچا کہ مخلوق تو بہت ہے اور عمر تھوڑی ہے لہٰذا ان سب سے پیچھا چھڑانا بہت مشکل ہے۔

حضرت داتا صاحبؒ عراق میں بھی ایک طویل عرصہ تک رہے اور عراق میں اپنے قیام کے دوران ان پر یہ عالم طاری تھا کہ حاجت مندوں اور مسکینوں کی کسی بھی ضرورت کو رد نہ کرتے اور بعض اوقات ان کی مالی امداد کے سلسلے میں مقروض بھی ہو جاتے، قرض زیادہ ہو جاتا تو دل آزردہ ہو جاتے کہ اب کسی کی مالی امداد بھی نہیں ہو سکتی چنانچہ اکثر پریشان رہتے اسی دوران ایک سید بزرگ نے انہیں تلقین کی کہ اللہ مخلوق کا آپ ہی رازق اور ذمہ دار ہے تم کیوں خود کو مخلوق کا ذمہ دار سمجھتے ہو اور یہ خیال تمہیں خدا سے دور کر دے گا۔ چنانچہ حضرت داتا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس بزرگ کی تلقین ہمیشہ میرے کام آئی.....

حضورِ قلب حاصل ہونے کے سلسلے میں حضرت داتا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ فرغانہ کے گاؤں سلانگ میں ایک بزرگ زمین کے اوتاد تھے جنہیں لوگ بابِ عمر کہتے تھے۔ ان کے پاس فاطمہ نام کی ایک خاتون بھی رہتی تھی۔ حضرت داتا صاحبؒ نے ان کی شہرت سنی تو ان کی زیارت کی خواہش سے سلانگ پہنچے اور ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو بزرگ نے پوچھا کس لیے آئے ہو؟

حضرت داتا صاحبؒ نے جواب دیا۔ آپ کی زیارت کے لیے آیا ہوں۔

بزرگ نے انتہائی شفقت و مہربانی سے دیکھا اور فرمایا "اے بیٹے! میں فلاں روز سے تمہیں مسلسل دیکھ رہا ہوں اور جب تک تم مجھ سے غائب نہ کر دیئے جاؤ گے تمہیں مسلسل دیکھتا رہوں گا۔" حضرت داتا صاحبؒ نے ان کے بتائے ہوئے دن پر غور کیا تو وہ وہی دن تھا جو ان کی توبہ اور بیعت کا پہلا دن تھا۔ بزرگ نے دوبارہ فرمایا۔ "میرے عزیز! مسافت طے کرنا بچوں کا کھیل ہے لہٰذا اس زیارت کے بعد ہمت کرو کہ تمہیں حضورِ قلب حاصل ہو جائے اور حضورِ قلب سے بڑھ کر دوسری کوئی چیز نہیں۔" اس کے بعد فاطمہ سے کہا۔ جو بھی حاضر ہے لے آؤ تاکہ یہ درویش کھائے۔ فاطمہ ایک پلیٹ میں تازہ انگور لائی حالانکہ یہ موسم تازہ انگوروں کا نہ تھا اور طباق میں کچھ تازہ کھجوریں بھی تھیں جبکہ فرغانہ میں کھجوریں ہوتی ہی نہیں تھیں۔ سفرِ شوق کے دوران حضرت داتا صاحب رحؒ حضرت شیخ احمد بخاریؒ سے اپنی ملاقات کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ رمضان شریف میں ان سے ملنے گیا تو میں روزے سے تھا اور حضرت شیخ احمد بخاریؒ کے آگے حلوے کی ایک پلیٹ رکھی تھی اور وہ حلوہ کھا رہے تھے۔ انہوں نے مجھے بھی کھانے کی دعوت دی اور میں نے بچوں کی طرح کہا کہ میں روزہ دار ہوں۔ یہ سن کر انہوں نے پوچھا کہ میں روزہ کیوں رکھتا ہوں۔ میں نے جواب دیا کہ فلاں بزرگ کی موافقت میں روزہ رکھا ہے۔ انہوں نے فرمایا "کسی مخلوق کا کسی مخلوق کی موافقت کرنا درست نہیں"۔ حضرت داتا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ارادہ کیا کہ روزہ کھول دوں اور ابھی میں نے اس کا اظہار بھی نہیں کیا تھا کہ حضرت شیخ احمد بخاریؒ کہنے لگے۔

"جب تم نے اس کی موافقت ترک کرنے کا ارادہ کیا ہے تو اب میری موافقت کیوں کرتے ہو کیونکہ میں بھی ایک مخلوق ہوں!"

حضرت ابومسلم فارسی رحمتہ اللہ علیہ جو ایران کے مقتدر صوفی تھے۔ حضرت داتا صاحبؒ ان سے بھی کسی خاص تعلق خاطر کے تحت ملا کرتے تھے۔ حضرت داتا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ ابومسلم فارسی نے انہیں بتایا کہ ایک دفعہ وہ ایک جماعت کے ساتھ حجاز کے سفر میں تھے کہ حلوان کے گرد و نواح میں کردوں نے ان کی راہ روک لی اور انہوں نے ہم سب سے کپڑے تک چھین لیے۔ ہم نے ان کی خوشی کی خاطر ان سے کوئی جھگڑا نہ کیا لیکن ہم میں ایک شخص نے بڑی مزاحمت کی اور ایک کرد نے تلوار نکال کر اس کو قتل کرنا چاہا لیکن ہم نے اس کی سفارش کی لیکن کرد راضی نہ ہوا اور اس نے کہا کہ اس جھوٹے کو زندہ چھوڑنا جائز نہیں ہم نے اس کی وجہ پوچھی تو کرد نے کہا "یہ صوفی نہیں ہے یہ اولیاء کی صحبت میں خیانت کرتا ہے اور ایسے شخص کو ختم کر دینا ہی بہتر ہے۔" ہم نے اس کی وجہ دریافت کی تو کرد نے کہا کہ صوفیوں کا سب سے چھوٹا درجہ تجود ہے اور یہ شخص جو چند پھٹے پرانے کپڑوں کے لیے بے صبر ہو رہا ہے یہ کیسے صوفی ہو سکتا ہے۔ حالانکہ ہم برسوں سے تمہارے اس کام کو کر رہے ہیں۔ تمہارا راستہ روک رہے ہیں۔ تمہارے تعلقات کو منقطع کر رہے ہیں لیکن تم کبھی رنجیدہ خاطر نہیں ہوئے۔"

حضرت داتا صاحبؒ نے شیخ ابومسلم فارسیؒ سے اپنی اس ملاقات کو جود و سخا کے نظریئے کی وضاحت میں ذاتی مشاہدے اور مطالعے کی سند کے طور پر بیان کیا ہے اور اس سلسلے میں جب وہ تحقیق کر رہے تھے کہ جود و سخا کی اصل حقیقت کیا ہے تو ان کی ملاقات متاخرین کے ایک درویش سے بھی ہوئی اس درویش کے بارے میں حضرت داتا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ایک بادشاہ نے اس کے پاس تین ہزار درہم کی مالیت کا خالص سونا بھیجا۔ درویش اس سونے کو لے کر

حمام میں چلا گیا اور یہ سونا تقسیم کر دیا۔

ایک دفعہ حضرت داتا صاحبؒ کسی جنگل سے گزر رہے تھے کہ ان کی ملاقات ایک درویش سے ہوئی۔ اس درویش کا ذکر داتا صاحبؒ نے ارباب مجاہدہ کے ضمن میں کیا ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ یہ درویش سال میں دو چلے کاٹا کرتا تھا اس سلسلے میں انہوں نے حضرت ابو محمد غزی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ذکر فرمایا ہے کہ جب حضرت بھی غزیؒ دنیا سے رخصت ہو رہے تھے تو حضرت داتا صاحبؒ ان کے پاس موجود تھے اور فرماتے ہیں کہ حضرت ابو محمد غزی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی دن سے کچھ کھایا نہیں تھا اور کوئی نماز بغیر جماعت کے ادا نہ کی۔۔۔

خراسان کے شہر ملند میں بھی حضرت داتا صاحب کو ایک درویش ملا جو آس پاس میں بہت مشہور تھا اور لوگ اسے ملندِ ادیب کہتے تھے وہ صاحبِ فضیلت درویش تھا اور بیس سال سے پاؤں پر کھڑا تھا اور نماز میں تشہد کے سوا کبھی نہ بیٹھا تھا۔ حضرت داتا صاحب نے اس سے کھڑا ہونے کی وجہ دریافت کی تو اس نے کہا۔

"ابھی مجھے وہ درجہ حاصل نہیں ہوا کہ میں مشاہدۂ حق میں بیٹھ سکوں۔"

حضرت داتا صاحبؒ بخارا میں تھے کہ انہوں نے شیخ احمدؒ سمرقندی کا تذکرہ سنا اور ملاقات کی خواہش انہیں شیخ احمدؒ کے ہاں لے گئی۔ حضرت داتا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ شیخ احمدؒ چالیس سال تک رات بھر نہ سوئے۔ البتہ دن میں تھوڑی دیر کے لیے سو جاتے تھے۔ حضرت داتا صاحبؒ نے حضرت شیخ احمدؒ سمرقندی کے اس عمل سے یہ بصیرت افروز نکتہ نکالا کہ جیسے زندگی کے مقابلے میں موت زیادہ عزیز ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ نیند کے مقابلے میں بیداری کو عزیز رکھے اور جیسے موت کے مقابلے میں زندگی عزیز ہو اسے یہی زیب دیتا ہے کہ وہ بھی بیداری کو نیند کے مقابلے میں عزیز تر جانے۔ لیکن جو تکلف سے بیدار ہو اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ اس ضمن میں حضرت داتا صاحب نے اپنے مرشد کا ایک قول بھی دہرایا ہے کہ نیند کے غلبے کے وقت سو جانا چاہیئے اور جب بیدار ہو جاؤ تو دوبارہ سونا مریدوں کے لیے حرام اور بیکار ہے۔ کیونکہ انسان نیند سے غفلت میں آجاتا ہے۔

ایک اور صاحب مرتبہ بزرگ کے بارے میں حضرت داتا صاحبؒ فرماتے ہیں یہ جنگل میں فاقوں اور سفر کی صعوبتیں جھیلتے ہوئے کوفہ کے ایک بازار میں آنکلے اور حضرت داتا صاحبؒ نے دیکھا کہ انہوں نے اپنے ہاتھ پر ایک چڑیا بٹھائی ہوئی تھی اور کہہ رہے تھے۔

"اس چڑیا کے لیے مجھے کچھ دو۔"

لوگوں نے پوچھا۔ یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ مانگنا ہے تو اپنے لیے مانگ۔ اس نے جواب دیا۔ "یہ میرے لیے محال ہے کہ میں یہ کہوں کہ خدا کے لیے مجھے کچھ دو جبکہ ساری دنیا کے لیے حقیر سا وسیلہ ہی لایا جا سکتا ہے۔"

سیرت و کردار

حضرت داتا صاحبؒ سفر حیات کے دوران مسافر بھی تھے اور مقیم بھی۔ مسافر اس لیے کہ انہیں تحصیل علم کا فریضہ سونپا گیا تھا۔ اور مقیم اس لیے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے راہنما بنا کر بھیجا تھا سفر کے دوران انہیں سب سے زیادہ کوفت اس وقت ہوتی جب ادب و آداب سے نا آشنا اور غلیظ لوگ انہیں گھیر لیتے تھے اور کبھی کسی گھر میں لے جاتے اور کبھی کسی دیہاتی کے گھر ٹھہرا دیتے۔ ہر بات بے ڈھنگے طریقے سے کرتے لیکن حضرت داتا صاحبؒ درگزر سے کام لیتے۔ اگر کہیں انہیں قیام کے دوران مقیم کی حیثیت سے درس دینا پڑتا تو درمیان میں علمی نسم کے لوگوں کی ناپسندیدہ حرکتوں پر کبھی ناراض نہ ہوتے۔ اس سلسلے میں ایک دفعہ حضرت داتا صاحبؒ مبتدی صوفیوں کو درس دے رہے تھے اور زکوٰۃ کا مسئلہ زیر بحث تھا کہ بنت لبون (اونٹنی کا بچہ) اور بنت مخاض کی علمی حیثیت کیا ہے۔ ایک جاہل اس پر پیچ و تاب کھا رہا تھا وہ اچانک اٹھا اور کہنے لگا کہ میرے پاس تو اونٹ ہی نہیں، لہٰذا بنت لبون کا علم حاصل کرنے کی مجھے کوئی ضرورت نہیں اور نہ ہی یہ علم میرے کام آسکتا ہے۔ حضرت داتا صاحب نے اسے آرام سے سمجھایا کہ جس طرح ہمیں زکوٰۃ دینے کے لیے زکوٰۃ کے علم کی ضرورت ہے اسی طرح زکوٰۃ لینے کے علم کی بھی ضرورت اتنی ہی اہم ہے۔ اگر تجھے کوئی بنت لبون دے اور تو لے لے تو کیا اس وقت بھی تو کہے گا کہ مجھے بنت لبون کے علم کی ضرورت نہیں۔ اس کے علاوہ اگر کسی کے پاس مال نہ ہو اور مال وصول کرنے کی بھی ضرورت نہ ہو تو پھر بھی علم حاصل کرنے کا فرض باقی رہتا ہے۔

حضرت داتا صاحبؒ جب مہنہ (شام) میں ہوتے تو حضرت شیخ ابو سعیدؒ کے مزار پر چلے جاتے اور گھنٹوں تنہا بیٹھے رہتے ایک دن انہوں نے دیکھا کہ ایک کبوتر اڑتا ہوا آیا اور قبر پر پڑی ہوئی چادر کے نیچے گھس گیا۔ حضرت داتا صاحب نے سوچا کہ ممکن ہے یہ کبوتر کسی کا چھوڑا ہوا ہو۔ تھوڑی دیر بعد حضرت داتا صاحب اٹھے اور چادر اٹھا کر دیکھی تو وہاں کچھ بھی نہیں۔ دوسرے دن بھی یہی ہوا اور تیسرے دن بھی وہ کبوتر آیا اور چادر کے نیچے غائب ہو گیا۔ حضرت داتا صاحبؒ کو بڑی حیرت ہوئی اور کئی دن اسی واقعہ پر غور کرتے رہے۔ چند دنوں بعد خواب میں حضرت شیخ ابو سعیدؒ سے ملاقات ہوئی تو حضرت داتا صاحب کبوتر والی بات پوچھے بغیر نہ رہ سکے۔ حضرت ابو سعیدؒ نے فرمایا کہ یہ کبوتر میرے دل کی صفائی ہے اور روزانہ قبر میں میری ہم نشینی کے لیے آتا ہے۔

حضرت داتا صاحبؒ نے جن اکابر صوفیہ سے فیض حاصل کیا اور جن ہمعصر بلند پایہ صوفیہ سے انہوں نے ملک ملک اور شہر شہر ملاقاتیں کیں ان کی فہرست بے حد طویل ہے اور حضرت داتا صاحبؒ نے صرف چند اکابرین کے بارے میں ہی نشاندہی کی ہے۔ عراق و شام کے مشائخ کے سلسلے میں انہوں نے شیخ زکی بن العلاء، ابوجعفر محمد بن المصباح صیدلانی، حضرت ابوالقاسم سدی بتایا ہے کہ یہ اکابر حضرات اپنے حال میں عمدہ اور باکمال تھے۔ درویشوں کے نیاز مند اور پاسبان تھے۔ ایران کے مشاہیر صوفیہ میں شیخ ابوالحسن ابن سالبہ، شیخ ابواسحٰق ابن شہریار، ابوالحسن بن بکران، شیخ ابومسلم ہروی، شیخ ابوالفتح سالبہ اور شیخ ابوطالب کو حقائق کلمات کا پابند، تصوف میں فصیح اور توحید میں خوش اسلوب قرار دیا ہے، کرمان اور خراسان کے مشائخ میں خواجہ علی بن حسین، شیخ محمد بن سلمہ، شیخ مجتہد ابوالعباس، خواجہ ابوجعفر محمد بن علی، خواجہ ابوجعفر ترشیزی، خواجہ محمود نیشاپوری، شیخ محمد یعقوب، خواجہ رشید مظفر فرزند شیخ ابوسعید، خواجہ احمد سرخسی، شیخ ابوالحسن علی بن علی الاسود اور روسی علاقوں میں سے شیخ شفیق فرح المعروف بہ اخی زنجانی، شیخ ابوعبداللہ جنیدی، شیخ ابوطاہر مکشوف، خواجہ حسن سمنانی، شیخ سہلکی احمد بن شیخ، ابوجعفر محمد بن حسین حرمی

ابو محمد بالعزی، شیخ احمد ایلاقی، خواجہ زمن بن ابی اسحاق کو بلند ہمت، سالکان راہ حقیقت کے لیے مشفق، نیک زبان، سلطان زمانہ، صوفیانہ علوم کے ماہر اور صدقِ فراست میں بے مثال ہونے پر خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ اس کے علاوہ حضرت داتا صاحب ؒ نے اپنے وطن غزنی کے شیخ عارف ابوالفضل بن اسدی، اسماعیل شاشی، ابوعبداللہ محمد بن حکیم، سعید بن ابی سعید اور شیخ احمد بن محمد جبر دیزی ایسے اہلِ طریقت کو شاندار لفظوں میں یاد کرتے ہوئے حضرت داتا صاحب ؒ نے انہیں صاحب حرمت و وقار اور صاحبانِ مشاہدہ کا مقام دیا ہے۔

مرشدِ حقیقی

حقیقت کی آرزو میں ظاہری شرعی حالت سے باطنی حالت تک حضور داتا صاحب ؒ کی جدوجہد بتاتی ہے کہ معرفت الٰہی میں کامرانیوں کے لیے انہیں آزمائش کی کٹھن راہوں سے گزرنا پڑا۔ راہ حق میں مشکل سے مشکل مرحلوں میں وہ کبھی مایوس اور بددل نہ ہوئے۔ ہر مقام پر انہیں ایک نئی ولولہ انگیزی ملی اور بہادروں کی طرح علوم معرفت کے موتی چنتے رہے۔ انہوں نے اسرارِ کائنات کی جستجو میں قدم قدم پر علم و راہنمائی حاصل کی اور اس دوران بڑی جانسوزی کے ساتھ صوفیانہ نصاب کے بنیادی احکام کی پابندی کرتے انہیں جہاں کہیں سے حکمت ملی انہوں نے اسے اپنا سرمایہ بنایا اور آگے ہی بڑھتے چلے گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داتا صاحب ؒ اپنے عہد کے اساتذہ اور کامل صوفیہ سے علم و عرفان حاصل کرنے کے بعد مرشد حقیقی حضرت محمد بن حسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ ارشاد میں پہنچے اور وہیں انہیں عارفِ حق کا مرتبہ حاصل ہوا۔ آپ نے کشف المحجوب میں اپنے مرشد کا ذکر کمال عقیدت و احترام سے کیا ہے اور بعض مسائل کا تجزیہ پیش کرتے ہوئے اپنی رائے مرشد کے قول کی تصدیق کے ساتھ دی ہے۔ حضرت محمد بن حسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ جو اس دور میں متاخرین صوفیہ کی نمائندگی کر رہے تھے علم تفسیر و روایات کے عالم اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتبۂ فکر سے منسلک تھے حضرت داتا صاحب ؒ فرماتے ہیں کہ ان کے مرشد عام صوفیوں کے رسم و رواج کے پابند نہ تھے بلکہ اہل رسوم سے بیزار تھے۔ اور میں نے ان سے بڑھ کر رعب و دبدبہ والا کوئی مردِ خدا نہیں دیکھا لوگوں پر انہوں نے کبھی اپنا آپ ظاہر نہ کیا اور اس کا ثبوت ان کی ساٹھ سالہ گوشہ نشینی ہے اور ان کا بہترین ٹھکانہ پہاڑوں کے غار تھے۔ محققین کی رائے ہے کہ حضرت محمد بن حسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت داتا صاحب ؒ کی ملاقاتیں اور پہاڑوں میں گمنامی کی زندگی کے دوران رفاقت کے واقعات اس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ حضرت داتا صاحب نے خود بھی ایک طویل عرصہ اپنے مرشد کے ساتھ پہاڑوں پر ریاضت و مجاہدے میں گزارا۔ اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ لوگوں سے الگ تھلگ رہنے والے حضرت محمد بن حسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت داتا صاحب ؒ کو محض ان کے ذوقِ توحید اور علم و حکمت سے سچی لگن کا پیکر پا کر ہی اپنی رفاقت سے نوازا ہوگا اور بعض واقعات سے پتا چلتا ہے کہ مرشد کو اپنے اس عالی مقام مرید سے کس قدر محبت تھی۔ حضرت داتا صاحب ؒ نے بھی خود کو اپنے مرشد کی خدمت کے لیے وقف کر دیا اور اپنے مرشد کے وصال تک ان کے ساتھ رہے۔ اس بات کا تعین کرنا مشکل ہے کہ حضرت داتا صاحب ؒ نے اپنے مرشد کی خدمت میں کتنا عرصہ گزارا۔ لیکن یہ عرصہ مہینوں پر محیط نظر نہیں آتا۔ کیونکہ صوفیانہ نصاب کے مطابق اساتذہ کسی طالب کو حلقہ ارشاد میں داخل کرنے سے پہلے اسے تین سال تک ابتدائی مراحل میں رکھتے ہیں اور تین سال کے بعد اسے خاص کورس شروع کراتے ہیں۔ یہ ممکن بھی ہے کہ حضرت داتا صاحب ؒ جیسے غیر معمولی مرید سے مرشد حقیقی نے غیر معمولی محبت کی بنا پر عام مریدوں کی نسبت خاص نوعیت کی رعایت کی ہو تاہم اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت داتا صاحب ؒ کو تصوف میں کاملیت کا درجہ حضرت محمد بن حسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ کے حلقۂ ارشاد سے ہی حاصل ہوا۔ حضرت محمد بن حسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں حضرت داتا صاحب نے وہ باتیں بھی لکھی ہیں جو انہوں نے دوسرے اصحاب سے سنیں۔ سرخس میں حضرت داتا صاحب ؒ کو خواجہ امام خزری ؒ سے معلوم ہوا کہ خواجہ امام خزری ابھی بچے ہی تھے اور شہتوت کے پتوں کی تلاش میں ایک محلے میں گئے جہاں شہتوت کا ایک درخت تھا وہ درخت پر چڑھ کر ایک ٹہنی ہلا رہے تھے کہ حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ کا اس طرف سے گزر ہوا خواجہ امام خزری ؒ کو معلوم نہیں تھا کہ وہ اپنے آپ سے غائب ہیں، در خدا کے ساتھ ان کا دل سرخوش و سرشار ہے اچانک انہوں نے اپنا سر اوپر اٹھایا اور کہا۔ یا اللہ ایک سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا تو نے مجھے ایک دمڑی تک نہیں دی کہ میں سر کے بال ہی بنوا لیتا۔ کیا دوستوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا جاتا ہے؟ خواجہ امام خزری ؒ بتاتے ہیں کہ اسی وقت درخت کی ٹہنیاں اور پتے سونے کے ہو گئے۔ حضرت محمد بن حسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دیکھ کر حیرت سے کہا:۔

"میری کنارہ کشی پر میرے دل کی کشادگی کے لیے یہ عجیب بھبتی ہے کہ میں آپ سے ایک بات بھی نہیں کہہ سکتا"

حضرت محمد بن حسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ دمشق کی ایک گھاٹی کے قریب لکام نامی ایک پہاڑی پر رہتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے بیت الجن سے دمشق جانے کا ارادہ کیا۔ اس سفر میں صرف حضرت داتا صاحب ؒ ان کے ہمراہ تھے راستے میں بڑی تیز بارش ہونے لگی اور ہر طرف کیچڑ ہو گیا۔ حضرت داتا صاحب کو چلنے میں دشواری پیش آ رہی تھی کہ ان کی نگاہ اپنے مرشد کے پیروں پر پڑی اور وہ یہ دیکھ کر حیران ہو گئے کہ ان کے مرشد کی جوتی اور کپڑے بالکل خشک تھے۔ حضرت داتا صاحب ؒ کے استفسار پر حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

"جب سے میں نے توکل کی راہ میں اپنی خواہش و ارادہ کو ختم کر کے اپنے باطن کو لالچ کی وحشت سے محفوظ کر لیا ہے اسی وقت سے اللہ تعالیٰ نے مجھے کیچڑ سے بچا لیا ہے"

حضرت داتا صاحب ؒ طریقت میں انہیں کے پیروکار ہیں اور دنیا سے الگ تھلگ پہاڑوں کی تنہائی میں زندگی گزارنے کی دلیل ان کا یہ ارشاد ہے کہ:

"دنیا ایک دن کی ہے اور ہم اس میں روزہ دار کی طرح ہیں"

ایک دفعہ حضرت داتا صاحب ؒ وضو کرانے کے لیے اپنے مرشد کے ہاتھوں میں پانی ڈال رہے تھے کہ ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ جب تمام کام تقدیر و قسمت سے ہی ہیں تو آزاد لوگ کرامت کی خواہش میں پیروں کے غلام کیوں بن جاتے ہیں۔ مرشد نے وضو کرتے کرتے فرمایا۔

"میرے بیٹے! جو خیالات تمہارے دل میں گزرے ہیں۔ میں نے انہیں جان لیا ہے اور تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ ہر حکم کے لیے کوئی سبب ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کسی سپاہی زادے کو تاج و تخت سے نوازنا چاہتا ہے تو اسے توبہ کی توفیق عطا کر کے اسے کسی اپنے دوست اور محبوب کی خدمت پر مامور فرما دیتا ہے اور یہ خدمت اس کی کرامت کا موجب بن جاتی ہے"

حضرت داتا صاحبؒ آخری وقت تک اپنے مرشد کے پاس رہے ۔ اور فرماتے ہیں کہ جتنا عرصہ میں ان کے ساتھ رہا ہر لمحہ نئی حکمتیں اور اسرار ظہور پذیر ہوتے رہے ۔ مرشد کے وصال کے آخری لمحوں میں بھی حضرت داتا صاحب اپنے مرشد کے پاس بیت الجن میں تھے یہ مقام دمشق کے قریب ایک گھاٹی پر واقع ہے ۔ مرشد کا سر حضرت داتا صاحب کی گود میں تھا اور اس وقت ان کے دل میں کسی دوست کی طرف سے کچھ ملال تھا ۔ مرشد ان کے دل کی حالت سے آگاہ تھے اور فرمانے لگے ۔

"بیٹا! دل کا مضبوط کرنے والا ایک مسئلہ سن لو اگر اپنے آپ کو اس پر درست کر لو تو ہمیشہ کے لیے تمام رنج و الم سے محفوظ ہو جاؤ گے اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ ہر لمحہ اور ہر حالت میں خواہ نیک ہو یا بد اسے اللہ تعالےٰ ہی پیدا کرتا ہے لہذا اسکی فعل پر مضطرب اور جھگڑنا نہیں چاہیئے" یہ آخری وصیت تھی اور اسی ارشاد کے بعد وہ دنیا سے رخصت ہو گئے ۔

حضرت داتا صاحب نے اپنے مرشد کے ارشادات کشف المحجوب میں خاص خاص مقامات پر سند کے طور پر پیش کیے ہیں جو صوفیانہ اسرار و رموز اور علم و عرفان کا انمول خزانہ ہیں اور حضرت داتا صاحب کی شخصیت و سیرت پر ان کا گہرا اثر نظر آتا ہے ۔ حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ جس شخصیت اور سیرت کی روشنی لے کر برصغیر میں آئے وہ انہی تعلیمات سے آراستہ ہیں جو انہوں نے تکمیل عرفان کے دوران صوفی اساتذہ اور مرشد حقیقی سے حاصل کیں اور انہیں ہر حال میں راہنما بنائے رکھا ۔ کیونکہ حضرت داتا صاحب نے جن صوفیانہ قوانین و ضوابط اور فلسفہ اخلاق کی تعلیم و تلقین فرمائی ہے ۔ یقیناً انہوں نے لفظاً اور معناً ان پر عمل کیا ہو گا ۔ کیونکہ ایسا ہو نہیں سکتا کہ جس کو انہوں نے صداقت کے طور پر تسلیم کیا ہو اور اس پر عمل نہ کیا ہو ۔

علم و عمل : اس اصول کی راہنمائی میں ہم کشف المحجوب میں داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اور کردار کے خدوخال باسانی دیکھ سکتے ہیں ۔ اس میں سب سے پہلے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ حضرت داتا صاحبؒ ابتدا ہی سے اس شعور و آگاہی سے آراستہ تھے جو انسان کو اس کائنات میں اپنی تخلیق کی غرض و غایت کے مفہوم کے اتنا قریب لے آتا ہے کہ اس کے بعد انسان کے سامنے اس کے سوا کوئی مقصد نہیں رہتا کہ وہ منشائے ایزدی کو سمجھنے کی کوشش کرے اور پھر اپنے آپ کو اللہ تعالےٰ کی مرضی اور عمل کے سانچے میں ڈھال دے ۔ اور اس کے لیے علم کا حاصل کرنا شرط اول ہے ۔ چنانچہ حضرت داتا صاحبؒ نے دونوں علم (اللہ تعالیٰ کا علم اور مخلوق کا علم) ایک سچے طالب علم کی حیثیت سے حاصل کیے اور حصول علم کی راہ میں ان کا رویہ مثالی نظر آتا ہے کہ وہ والہانہ انداز سے ہر اس روشنی کی طرف بڑھتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں جو وجدان و ادراک کو تابندہ کرتی ہے ۔ ان کی زندگی میں علم اور عمل کی سطح یکساں نظر آتی ہے اور جیسے جیسے علم ان پر واضح ہوتا گیا وہ اسی لمحے اس پر عمل پیرا ہو گئے کیونکہ یہ اعتقاد ابتدا ہی سے ان کی زندگی اور جستجو میں رچ بس گیا تھا کہ وہ ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے افعال کو برابر دیکھ رہا ہے ۔ وہ یوں محسوس کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ ان پر چھایا ہوا ہے چنانچہ اس عقیدہ کے تحت کہ اللہ تعالیٰ ان کو مسلسل دیکھ رہا ہے ۔ حضرت داتا صاحبؒ نے اپنے عمل کو اس طرح ترتیب دیا جیسے کوئی غلام اپنے آقا کے سامنے حاضر ہوتا ہے چنانچہ توحید میں غرق ہو کر فنا ہونے کے صوفیانہ عمل سے پہلے حضرت داتا صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے وہ تمام توفیق عطا فرمائی تھیں جو انسان کو انفرادیت کے آسیب سے نجات دلا کر خواہشوں تمناؤں اور آرزوؤں سے مبرا کر دیتی ہیں ۔ وہ عبادات و ریاضت اس لیے نہیں کرتے تھے کہ اس کے بدلے اللہ تعالیٰ انہیں کسی انعام سے نوازے گا بلکہ وہ اسے فرض منصبی سمجھتے تھے ۔ کشف المحجوب کے ایک باب میں انہوں نے فرمایا ہے کہ بعض صوفیائے کرام دن اور رات میں چار سو رکعت نماز ادا کرتے تھے اور یقیناً حضرت داتا صاحبؒ بھی اپنے جلیل القدر اساتذہ کی موافقت میں دن رات میں چار سو رکعت نماز ہی ادا کرتے ہوں گے نماز کی فضیلتوں کا ذکر آپ نے جس ذوق و شوق سے فرمایا ہے وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ حضرت داتا صاحبؒ کی نماز اس درجے کی نماز ہے جہاں ذوقِ سجدہ عین سجدہ ہوتا ہے ۔

ذاتِ حق کے سوا ان کا ذرہ بھر کسی اور چیز سے تعلق نظر نہیں آتا ۔ وہ ہمہ تن ذاتِ حق میں گم نظر آتے ہیں ۔ وطن، بھائی بندوں اور مانوس بسیروں کا خیال تک ان کے پاس نہ رہا تھا اور وہ توحید کے اس مقام پر فائز تھے جہاں خدا کا حکم ظاہر اور باطن دونوں میں نافذ العمل تھا اور اللہ تعالیٰ کے سوا دوسری چیزوں سے امید و خوف کے جذبات مکمل طور پر ختم ہو گئے تھے ۔ وہ زندگی کے تمام اطوار میں سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پابند رہے ہر سطح کے صوفیہ اور فقرا کی صحبتوں میں ایک مبتدی کی طرح حاضر ہوئے ۔ کبھی بھی ذات اور انفرادیت کے اظہار کی لغزش کا ثبوت نہ دیا ۔ ذاتی خواہش اور ضرورت کے لیے کبھی کسی کے سامنے دست سوال نہ پھیلایا بلکہ دوسروں کے لیے اپنی ضروریات تک قربان کر دیتے ۔ اساتذہ کے حضور وہ سراپا خدمت بنے رہے اور مبتدیوں کے لیے انتہائی مشفق تھے ۔ نہ مسند و منبر کی آرزو کی اور نہ جبہ و دستار کی تکریم کی طرف لپکے ۔ جیسا مل گیا وہی پہن لیا ۔ اور جو مل گیا اسے کھا لیا ۔ وہ اپنے مرشد حقیقی کی طرح رسوم و رواج کو ہرگز پسند نہیں کرتے تھے اور نہ ہی خود کو لوگوں پر ظاہر کرتے تھے ۔ اتنے تنہائی پسند بھی نہ تھے کہ خلق خدا سے بیزار ہوں ۔ انہوں نے مشائخ کرام کی پیروی میں چلے بھی کیے کیونکہ مشائخ کرام جب چاہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ سے باطن میں ہمکلام ہوں تو وہ چالیس روز بھوکے رہتے تھے اور جب تیس دن گزر جاتے تھے تو مسواک کرتے اور دس روز مزید بھوکے رہتے ۔ حضرت داتا صاحبؒ شہادت دیتے ہیں کہ ایسا چلہ کرنے والوں سے خدا بلا شبہ باطن میں ہمکلام ہوتا ہے ۔ بھوک کے سلسلے میں حضرت داتا صاحبؒ حضور سرورِ کونین صلی اللہ

علیہ وسلم کے اس ارشاد مقدس کے پابند تھے کہ اللہ تعالٰی کے نزدیک بھوکے کا شکم ستر عقلمند عابدوں سے زیادہ عزیز ہے۔ حضرت داتا صاحب فرماتے ہیں کہ بھوکا رہنا تمام اُمتوں اور ملتوں کے نزدیک قابل تعریف اور باعث عظمت ہے کیونکہ ظاہری لحاظ سے بھوکے کا دل زیادہ تیز ہوتا ہے اور اس کی طبیعت زیادہ پاکیزہ اور مہذب ہوتی ہے۔ حضرت داتا صاحبؒ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت اقدس کے مطابق اپنے شکم کو خالی اور اپنے جگر کو پیاسا رکھتے تھے۔ حضرت داتا صاحبؒ نے پیٹ بھر کر کھانے کو جانوروں کا عمل قرار دیا ہے اور بھوکا رہنے کو بیماریوں کے علاج کا نام دیا ہے۔ انہوں نے زندگی بھر تنہا کھانا کبھی نہ کھایا اور ہمیشہ اپنے کھانے میں دوسروں کو شریک کیا۔ حضور داتا صاحبؒ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول سند کے طور پر پیش کیا ہے کہ وہ شخص سب سے زیادہ بُرا ہے جو اکیلا کھائے۔ اپنے غلام کو مارے اور خیرات سے روکے۔ پیٹ بھر کر کھانے والوں کے متعلق حضرت داتا صاحبؒ مشائخ کرام کے اس تجزیئے کو راہنما مانتے ہیں کہ پیٹ بھر کر کھانا بیہودہ تمناؤں اور شہوانی خواہشات کو ابھرنے کا موقع دیتا ہے اور پیٹ بھر کر کھانا بیماروں کی طرح ہے اور ان کی نیند گہری نیند والوں کی مانند ہے اور ان کی باتیں مردہ بچوں کے کلام کی طرح ہوتی ہیں۔"

حضرت داتا صاحبؒ کی چال اللہ تعالٰی کے اس فرمان کی تشریح ہے کہ رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستہ قدم چلتے ہیں۔ یعنی تواضع و انکسار سے چلتے ہیں۔ حضرت داتا صاحبؒ جب بھی چلتے اس خیال سے چلتے کہ وہ جو بھی قدم اٹھاتے ہیں اللہ تعالٰی کی طاقت اور توفیق سے اٹھاتے ہیں۔ وہ بیداری کے عالم میں بھی سر جھکائے مراقبہ میں رہتے اور کسی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھتے۔ وہ راہ چلتے ہوئے سوائے اپنے کپڑوں کو ناپاک ہونے سے بچانے کے علاوہ اور کوئی کوشش نہ کرتے۔ وہ جب کسی گروہ کے ساتھ سفر میں ہوتے تو کبھی جماعت سے آگے نکلنے کی کوشش نہ کرتے اگر وہ کسی کے ساتھ چل رہے ہوتے تو راستے میں کبھی رک کر کسی اور سے بات نہ کرتے اور اس طرح اپنے ساتھی کو انتظار میں نہ رکھتے۔ وہ تیز تیز چلنے کو پسند نہیں کرتے تھے وہ فرماتے ہیں تیز چلنا لالچیوں اور حریصوں کا کام ہے اور زیادہ آہستہ بھی نہ چلتے کہ ان کے نزدیک آہستہ چلنا تکبر کی نشانی ہے۔

حضرت داتا صاحب خاموشی اور بات کرنے کے سلسلے میں اس اصول پر قائم تھے اور اسی کی تلقین فرماتے تھے کہ بغیر امر کے گفتگو نہ کی جائے اور جس کا حکم ہو وہی بات کہی جائے اور جب وہ مشائخ کرام کی محفلوں میں تشریف لے جاتے تو ان کی گفتگو میں قطعاً دخل اندازی نہ کرتے نہ ہی پریشان کن باتیں زبان پر لاتے اور بات کرنے میں کبھی پہل نہ کرتے۔ شب بیداری عارفوں کا محبوب ترین شغل ہے اور تصوف میں نیند اور بیداری کے متعلق صوفیائے کرامؒ کے کئی الگ الگ مکتبۂ فکر ہیں۔ ایک گروہ نیند کو بیداری پر افضل جانتا ہے اور دوسرا بیداری کو مشاہدہ حق کا وسیلہ قرار دیتا ہے۔ تاہم داتا صاحبؒ اس مقام پر تھے جہاں سونے اور جاگنے کا مسئلہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ لیکن داتا صاحبؒ ہر لمحہ بیدار تھے اور بیداری سے ان کی مراد اپنے معاملات کو درست رکھنا، نعمتِ اسلام کا شکر بجا لانا اور اس عہد پر قائم رہنا ہے کہ گناہوں کی طرف نہیں جاؤں گا۔ تاہم وہ بیان فرماتے ہیں کہ نیند ایک پردہ ہے اور اس پردے کو ہٹانے کے لیے حضرت ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ ہر رات سلائی نمک کے پانی میں تر کر کے سامنے رکھ لیتے تھے اور جونہی نیند کا غلبہ ہوتا وہ اس سلائی کو آنکھوں میں پھیر لیتے۔ لیکن حضرت داتا صاحبؒ نہ تو نیند میں تکلف برتتے تھے اور نہ ہی بیداری کی مشقت برداشت کرتے تھے۔ وہ اپنے مرشد حقیقی کی اس ہدایت پر کاربند تھے کہ نیند کے غلبہ پر سو جاتے اور جب بیدار ہوتے تو دوبارہ ہرگز نہیں سوتے اور ان کا مریدوں اور سالکوں کے لیے بھی یہی ارشاد تھا کہ وہ اپنی پہلی نیند کو اپنی عمر کی آخری نیند تصور کریں، پاکیزہ رہیں، داہنے پہلو پر قبلہ رو ہو کر سوئیں اور دنیا کے کاموں کو ہر حال میں درست رکھیں۔

حضرت داتا صاحبؒ کی زندگی اک سفر مسلسل کا نام ہے۔ ان کا سفر خدا کے لیے تھا وہ ہمیشہ سفر کے آداب کا ہر حال میں احترام ملحوظ خاطر رکھتے جس طرح آپ ظاہر میں برائے خدا سفر اختیار کرتے تھے اسی طرح باطن میں بھی اپنی نفسانی خواہشوں سے گریزاں ہوتے تھے اور دوران سفر ہمیشہ باوضو رہتے تھے آپ نے سالکان راہِ حق کے لیے اسی عمل کو سفر کے دوران اختیار کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ سفر میں ان کا زادِ راہ ایک گدڑی، جائے نماز، لوٹا، جوتیاں اور عصا پر مشتمل ہوتا تھا۔ اگرچہ صوفیہ، درویشوں اور فقرا کو اجازت ہے کہ وہ کنگھا ناخن تراش اور سرمہ دانی بھی ساتھ رکھیں۔ کیونکہ یہ سنت رسول ہے لیکن حضرت داتا صاحبؒ اس کے سوا سامان کو سامان قید اور بندش راہ سمجھتے تھے اور ہر حال میں سفر کے دوران سنت رسول کی حفاظت دل و جان سے فرماتے جب وہ کسی قیام پذیر درویش یا عارف کے ہاں جاتے تو پورا پورا احترام کرتے، سب سے پہلے سلام کرتے۔ پھر بایاں پاؤں جوتے سے نکالتے۔ سفر کی سختیاں اور صعوبتیں بیان نہ کرتے اور نہ ہی اپنا علم جتاتے۔ دوران سفر اہل جہالت سے عفو و درگزر سے کام لیتے۔ اکثر و بیشتر دنیا دار انہیں کسی نہ کسی شہر میں مل جاتے تو ان کا دل رکھنے کی خاطر جہاں بھی وہ کہتے ان کے ساتھ چلے جاتے۔ اگر کوئی قیام پذیر کسی جگہ کی زیارت کے لیے جانے کی بات کرتا تو قطعاً انکار نہ کرتے لیکن ان کے دل میں دنیا داروں کی مروت کے لیے کوئی گنجائش نہ ہوتی۔ اپنی ضرورت کے لیے کسی پر بوجھ نہ ڈالتے، بادشاہوں، حاکموں اور امراء کے ہاں کبھی نہ جاتے ان کے سفر کی غرض و غایت علم الٰہی کا حصول ہوتی۔ ہر حال میں اللہ تعالٰی کی رضا کے خواہش مند رہتے اور دوران سفر وظائف جاری رکھتے۔ راستے میں ہر ملنے والے کو سب سے پہلے سلام کرنے کی عادت انہیں بے حد عزیز تھی اور سماجی آداب کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ محفلوں میں ہر آنے والے کے لیے سب سے پہلے جگہ بناتے اور اپنے سے اعلیٰ تر کا ذکر کرتے وقت انہیں ایسے القاب سے یاد کرتے جو ان کی شخصیت اور کردار و عمل کی عکاسی کرتے تھے۔ نیک اور پاکیزہ لوگوں سے ملنے کے لیے ہمیشہ بے تاب رہتے اور جب کوئی درویش ان کے پاس آتا تو اس سے انتہائی مسرت و احترام سے پیش آتے۔ مہمانوں کے مزاج کے مطابق عمل اختیار کرتے۔ اگر مہمان تنہائی پسند ہوتا تو اس کی تنہائی میں مخل ہونا اخلاق کے منافی سمجھتے اور اگر ان کا مہمان بات چیت اور مذاکرات کی خواہش رکھتا تو گہری محبت کے ساتھ اس سے باتیں کرتے اور باتوں کے دوران ہمیشہ اس کے سامنے

سراپا عجز بنے رہتے۔ مہمان سونے لگتا تو اس کے پیر تک دباتے۔ اگر مہمان اس کو پسند نہ کرتا تو اصرار بھی نہ کرتے۔ دوسرے دن درویش مہمانوں کے لیے غسل کا بندوبست کرتے اور اگر وہ اس کی استطاعت رکھتے تو درویش کو نئے کپڑے پہنا کر بہت خوش ہوتے۔ بیمار پرسی اور تعزیت کے فرائض کو نبھانے میں حضرت داتا صاحب رح نے خاص تلقین فرمائی ہے لیکن وہ اللہ تعالےٰ کے حقوق سے پہلو تہی کرنے والوں سے کوئی واسطہ نہ رکھتے تھے اور درویشوں کے ان طبقوں سے دور ہی رہتے تھے جو بازاری عادات واطوار کا مظاہرہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت داتا صاحب رح دو درویشوں کے ساتھ دمشق سے حضرت ابن العلاءؒ رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لیے جا رہے تھے ان دنوں حضرت مکہ مکرمہ کے ایک گاؤں میں رہتے تھے۔ حضرت داتا صاحب رح اور ان کے ساتھی درویشوں نے آپس میں یہ طے کیا کہ ہم کوئی نہ کوئی ایسی بات سوچ لیں تاکہ وہ بزرگ ہمیں ہمارے باطن کی خبر دیں اور ہمارے سوال کو حل کریں حضرت داتا صاحب رح نے سوچا کہ وہ حضرت ابن العلاءؒ رح سے حضرت حسین منصور بن حلاج کے اشعار کا مفہوم سمجھیں گے۔

دوسرے نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ جس مرض میں مبتلا ہے اس سے شفا کے لیے دعا کراؤں گا۔ تیسرے نے کوئی خاص قسم کا حلوا کھانے کی تمنا کی۔ حضرت داتا صاحب رح اپنے ساتھی درویشوں کے ساتھ حضرت ابن العلاءؒ رح کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے حسین بن منصور حلاج کے اشعار کی تشریح لکھ کر رکھی ہوئی تھی اور وہ انہوں نے سب سے پہلے حضرت داتا صاحب رح کے سامنے رکھ دی۔ دوسرے درویش کے پیٹ پر حضرت ابن العلاءؒ رح نے ہاتھ پھیر کر دعا کی اور اس کا مرض جاتا رہا اور تیسرے درویش سے فرمایا کہ تم حلوے کی خواہش رکھتے ہو جو عام لوگوں کی غذا ہے۔ حالانکہ تم نے اولیاء کا لبادہ اوڑھا ہوا ہے اور اولیاء کا لباس عام مطالبہ و خواہش سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا۔ لہٰذا تم دونوں میں سے ایک رخ اختیار کرو۔"

حضرت داتا صاحب رح کے اس واقعہ سے یہ شہادت ملتی ہے کہ وہ جب خود کسی صاحب مقام کے ہاں تشریف لے جاتے تھے تو ان کے پیش نظر عام خواہشیں اور مطالبے نہیں ہوتے تھے بلکہ وہ ظاہری اور باطنی علوم کے شوق میں بزرگوں کی زیارت کے لیے جاتے تھے۔ حضرت داتا صاحب رح کو کلام پاک کی تلاوت سے گہرا عشق تھا اور تلاوت سننے کو افضلیت دیتے تھے۔ اس طرح وہ ہر دم ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ انہیں قرآن پڑھنے سے زیادہ قرآن سننا عزیز اور محبوب تھا۔ حضرت داتا صاحب رح اس ضمن میں فرماتے ہیں کہ تلاوت کرنے والا یا تو اپنے حال سے تلاوت کرے گا یا اپنے حال کے غیر سے، لیکن سننے والا بہر حال اپنے حال سے سنے گا کیونکہ گویائی میں ایک طرح کا تکبر ہوتا ہے لیکن سننے میں انکسار جھلکتا ہے۔ اپنے اس قول کی تائید میں حضرت داتا صاحب رح نے حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو سند کے طور پر پیش کیا ہے کہ "مجھے سورۂ ھود نے بوڑھا کر دیا ہے۔"

حضرت داتا صاحب رح نے مفسرین کے حوالے سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو یوں بیان فرمایا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا اس لیے ارشاد فرمایا کہ اس آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ اس کے مطابق سیدھے رہو درحقیقت انسان اللہ تعالیٰ کے احکام پر مکمل عملدرآمد کرنے میں عاجز ہے کیونکہ انسان اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت کے بغیر امر حق میں پر استقامت رہ ہی نہیں سکتا۔ لہٰذا جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا کہ حکم کے مطابق سیدھے رہو تو آپ حیران رہ گئے اور فرمانے لگے "یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ میں اس کے مطابق قیام کر سکوں۔ اس سے آپ کے دل کو بہت رنج ہوا اور یہ تکلیف دہ احساس بڑھتا ہی گیا۔ یہاں تک کہ ایک دن آپ نے اپنے کاشانۂ اقدس میں کھڑے ہونا چاہا تو آپ نے اپنے ہاتھوں سے زمین کا سہارا لیا۔ اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ آپ کا یہ کیا حال ہے حالانکہ ابھی آپ جوان اور تندرست ہیں۔" حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سورۂ ھود نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔" مطلب یہ کہ اس کے سننے سے میرے دل پر اتنا اثر ہوا کہ میری طاقت جاتی رہی۔ چنانچہ حضرت داتا صاحب رح قرآن سننے کو قرآن پڑھنے پر ترجیح دیتے تھے کہ قرآن سننے میں بڑے فائدے ہیں اور حضرت داتا صاحب رح قرآن سننے کی فضیلت اس طرح ثابت کرتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ اے میرے محبوب میرے بندوں کو یہ بشارت دے دیجئے کہ جو قرآن سنتے ہیں وہ اس کی عمدہ پیروی کرتے ہیں۔" چنانچہ حضرت داتا صاحب رح قیام اور سفر میں جب کسی کو قرآن پڑھتے دیکھتے تو فوراً رک جاتے اور قرآن سننے میں محو ہو جاتے۔

حضرت داتا صاحب کی تعلیمات سے یہ فہم بھی حاصل ہوتا ہے کہ ان کا ذوق شعری اعلیٰ معیار کا تھا۔ وہ خود بھی شعر کہتے تھے اور اچھا شعر سن کر بے حد مسرت کا اظہار کرتے تھے اور اسی شعر کو پسند کرتے تھے جس میں حکمت آیات الٰہیہ میں استدلال اور غور و فکر ہو اور ایسے شعروں کو سننا گوارا نہیں کرتے تھے جن میں سطحی جذبوں، خواہشوں اور سفلی خیالوں کا اظہار کیا جاتا ہے۔ انہیں خوش الحانی سے بھی لگاؤ تھا۔ البتہ خوش الحانی کو نفسانی خواہشوں کو ابھارنے اور تفریح کے لیے استعمال کرنے کو قابل نفرت سمجھتے تھے لیکن خوش الحانی سے طبیعتوں پر جو اثر ہوتا ہے اس کی حقیقت کے قائل تھے اس سلسلے میں انہیں کئی مشاہدے بھی ہوتے تھے کہ ان کے سامنے شتربانوں اور گدھے ہانکنے والوں نے سریلی آوازیں نکالیں تو اونٹ اور گدھے جھوم جھوم گئے۔ حضرت داتا صاحب نے برصغیر میں ایسے گویوں کو بھی دیکھا جو جنگلوں میں گاتے تھے اور ہرن ان کے گانے سے مست ہو کر خود ہو کر شکاریوں کے جال میں پھنس جاتے تھے۔ چنانچہ حضرت داتا صاحب رح ایسی خوش الحانی سننا محبوب جانتے تھے جن سے قرب الٰہی کی لذت آشکارا ہو اور سماع کے بارے میں بھی اسی اصول کے پابند تھے اور اسی سماع کو بہتر اور مفید سمجھتے تھے جو حق ہو۔ وہ سماع کے دوران رقص کرنے کو ایک لغو اور شعوری کھیل قرار دیتے تھے اور اسے بے ہودگی کا نام دیتے تھے۔ حضرت داتا صاحب رح نے ایسے گروہوں کے لیے سخت الفاظ استعمال کیے ہیں جو سماع میں رقص کرتے ہیں اور اسے انہوں نے صوفیانہ عمل سمجھ رکھا ہے۔ حضرت داتا صاحب رح فرماتے ہیں کہ شریعت و طریقت میں رقص کی کوئی حقیقت نہیں۔ شرعی اور عقلی طور پر یہ ایک انتہائی بے ہودہ فعل ہے اور بعض گروہوں نے جس حرکت کو رقص سمجھ لیا ہے درحقیقت وہ اس حالت کا اضطراب ہے جب باطن سے خفت پیدا ہوتی ہے اور خفت کے باطن پر غالب آتے ہی اضطراب

ابھرتا ہے اور اس وقت ترتیب و رسوم زائل ہو جاتی ہیں لیکن یہ اضطراب نہ تو رقص ہے اور نہ پیروں کی حرکت اور اس اضطراب کو لفظوں میں بھی بیان نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت داتا صاحبؒ نہ تو خود ان محفلوں میں جاتے تھے اور نہ جانے کی تلقین کرتے تھے جہاں نوعمر لڑکے موجود ہوں۔ حضرت داتا صاحبؒ نے فرقہ حلولیہ پر لعنت بھیجی ہے جن کا سماع کا طریقہ رقص ہے اور نوعمر لڑکوں کو دیکھنے اور انہیں ساتھ رکھنے والوں کو حضرت داتا صاحبؒ نے کفر کا مرتکب قرار دیا ہے۔ سماع حضرت داتا صاحب کی عادت نہیں تھی اور صرف ایسی سماع کی محفلوں میں شریک ہوتے جن میں کوئی مرشد یا صاحبِ مقام موجود ہوتا۔ وہ سماع کی محفلوں میں مبتدیوں کو کبھی شریک نہ کرتے انہوں نے مبتدیوں کے لیے سماع میں بڑے خطرات اور آفتوں کی نشاندہی کی ہے اور نہ ہی عورتوں کو چھتوں یا اونچی جگہ پر بیٹھ کر سماع کرنے کی اجازت دی ہے۔

علم سے عمل تک ہر مرحلے کے آئینے میں حضرت داتا صاحبؒ کی شخصیت اور سیرت اس لحاظ سے مکمل نظر آتی ہے کہ انہوں نے قرآن کے مردِ کامل کے تصور کے مطابق جامع فہم و ادراک کی راہنمائی میں زندگی بسر کی اور اس مقام تک آئے جہاں انسان اپنے خالق کے ساتھ ہر پہلو سے منسلک ہو کر اہل جہان کے لیے خیر و برکت کا وسیلہ بن جاتا ہے۔ ان کی سیرت و کردار اور طرزِ فکر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داتا صاحبؒ کے تعلقات و روابط اس دور کے مشاہیر صوفیہ دینی مفکرین اور معاصرین سے انتہائی گہرے اور وسیع تھے۔ اس کے علاوہ انہوں نے اپنے عمیق مطالعے، تجربے علم و فضل اور بے داغ اندازِ فکر سے اس عہد کے متضاد صوفیانہ نظریات میں سے حقیقی نظریہ تک رسائی حاصل کی اور طریقت و شریعت کے سچے علم کو اپنے اندر جذب کر کے اپنی سیرت و شخصیت کی تاثیر سے انہیں اتنا واضح اور غیر مبہم بنا دیا کہ تصوف اپنے اصل و جوہر کے ساتھ دینِ اسلام کے فریم میں ارتقا پذیر ہونے لگا......

زیارتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کشف المحجوب کے مطالعہ سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ برصغیر میں تشریف لانے سے قبل ہی حضرت داتا صاحبؒ صوفیانہ زندگی کی حالت کمال میں پہنچ چکے تھے۔ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور آپ سے ہم کلام ہونے کا شرف حضرت داتا صاحب کو برصغیر میں آنے سے پہلے نصیب ہوا اور آخری تکمیل حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے ہوئی۔ حضرت داتا صاحبؒ کو دو مرتبہ حضورِ پاکؐ کی زیارت نصیب ہوئی۔ ایک مرتبہ حضرت داتا صاحبؒ نے خواب میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور درخواست کی کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نصیحت فرمائیں۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"اپنے حواس کو اپنے قابو میں رکھنا یہ ایک مکمل ریاضت ہے۔ اس لیے کہ تمام علوم کے حصول کا ذریعہ یہی پانچوں حواس ہیں اور ان کی حیثیت پانچ دروازوں کی ہے۔ ایک دیکھنے کا دوسرا سننے کا، تیسرا چکھنے کا، چوتھا سونگھنے کا اور پانچواں چھونے کا، یہ پانچوں حواس علم و عقل کے سپہ سالار ہیں۔ ان میں چار کے لیے تو ایک ایک مقام مخصوص ہے اور پانچواں پورے جسم میں پھیلا ہوا ہے جیسے کہ آنکھ دیکھنے کا مقام ہے کہ وہ رنگ اور شکل کو دیکھتی ہے۔ کان سننے کا مقام ہے کہ وہ خبر اور آواز کو سنتا ہے۔ زبان ذائقہ چکھنے کا مقام ہے کہ وہ لذت اور بے لذت کو پہچانتی ہے۔ ناک سونگھنے کا مقام ہے کہ وہ خوشبو اور بدبو سونگھتی ہے۔ چھونے کے لیے کوئی خاص مقام نہیں ہے وہ تمام جسم میں پھیلا ہوا ہے اور انسان کے تمام اعضا میں نرمی، گرمی، سردی اور سختی کا احساس ہوتا ہے۔ انسان جو بھی علم حاصل کرنا چاہے وہ انہی پانچ دروازوں سے حاصل ہوتا ہے سوائے بدیہی باتوں اور اللہ تعالیٰ کے الہام کے، ان میں آفت جائز نہیں اور نہ ان کے لیے حواس خمسہ کی ضرورت ہے لیکن ان کے لیے صفائی کے دونوں پہلو موجود ہیں۔ علم، عقل اور روح پر بھی ان کا اثر ہوتا ہے اور نفس و ہوا پر بھی چنانچہ یہ گناہ اور ثواب اور سعادت و محرومی کے لیے مشترک سبب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حق تعالیٰ کی ولائت کا تقاضہ ہے کہ سچی بات سنی اور دیکھی جائے اس کے مقابلے میں نفس جھوٹی بات سننے اور شہوت کی آنکھ سے دیکھنے کا خواستگار ہے۔ چھونے، چکھنے اور سونگھنے میں اللہ تعالیٰ کی ولائت کا تقاضہ یہ ہے کہ حکم الٰہی کے مطابق اور سنت رسولؐ کی متابعت میں قدم اٹھایا جائے جبکہ نفس اللہ تعالیٰ کے احکام اور شریعت کی مخالفت کا طلب گار ہے اس لیے روزہ رکھنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ ان تمام حواس کو اپنے قابو میں رکھا جائے تاکہ مخالفت کے مقابلے میں موافقت ظہور پذیر ہو اور وہ سچا روزہ دار بن، محض کھانے پینے کا روزہ رکھنا تو بچوں کا کام اور بوڑھی عورتوں کا عمل ہے۔ حالانکہ روزہ تو نفسانی خواہش اور دنیاوی کھیلوں سے بچنے کا ذریعہ ہے۔"

دوسری مرتبہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے فیضیاب ہونے کا واقعہ حضرت داتا صاحبؒ نے حضرت ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی صداقت کی دلیل کے لیے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ وہ شام میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار کی زیارت کے لیے گئے اور مزار کے سرہانے سو گئے۔ خواب میں انہوں نے دیکھا کہ وہ مکہ میں حاضر ہیں اور پیغمبر خدا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم باب بنی شیبہ سے اندر تشریف لا رہے ہیں۔ ایک سن رسیدہ بزرگ کو ایک بچے کی طرح گود میں لیے ہوئے ہیں۔ حضرت داتا صاحبؒ دوڑتے ہوئے آگے بڑھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس پیروں کو بوسہ دیا اور دل میں سوچنے لگے کہ یہ سن رسیدہ کون ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے قلب میں جھانک کر میری سوچ کو پا لیا اور فرمایا کہ یہ شخص تیرا اور تیری قوم کا امام ہے یعنی ابو حنیفہؒ"

برصغیر میں آمد

حضرت داتا صاحبؒ جنہیں قادرِ مطلق نے بے پناہ عقل و حکمت عطا کی تھی اور ظاہری و باطنی علوم کے تمام شعبوں پر انہیں دسترس حاصل تھی اس کے علاوہ تمام روحانی مدارج کو بھی کامرانی و ظفر یابی کے ساتھ طے کر چکے تھے تو رب العزت نے انہیں برصغیر کی تقدیر بدلنے پر مامور فرمایا اور وہ سیرت و کردار کی ربانی رفعتوں کے ساتھ افغانستان کے راستے برصغیر میں تشریف لے آئے۔

برصغیر میں ان کے تشریف لانے کے بارے میں بہت سی متضاد باتیں بیان کی جاتی ہیں۔ ان میں اس واقعہ کو بڑی شہرت حاصل ہے کہ حضرت داتا

صاحبؒ اور شیخ حسین زنجانی رحمتہ اللہ علیہ، حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلی رحمتہ اللہ علیہ سے بیعت تھے اور شیخ زنجانی رحمتہ اللہ علیہ طویل مدت سے لاہور میں قیام پذیر تھے۔ ایک دن حضرت داتا صاحبؒ کو مرشد نے لاہور میں سکونت اختیار کرنے کا حکم دیا تو حضرت داتا صاحبؒ نے عرض کیا کہ لاہور میں تو شیخ زنجانی رحمتہ اللہ علیہ پہلے سے ہی موجود ہیں۔ مگر مرشد حقیقی کا حکم ہی یہی تھا۔ حضرت داتا صاحبؒ جس رات لاہور پہنچے تو اسی رات شیخ زنجانیؒ کا وصال ہو گیا اور صبح حضرت داتا صاحبؒ شہر میں داخل ہوئے تو شیخ زنجانیؒ کا جنازہ جا رہا تھا۔

یہ روایت اپنی شہرت کی بدولت سالہا سال سے مستند تسلیم کی جاتی ہے لیکن اس روایت اور شیخ زنجانی رحمتہ اللہ علیہ کی تاریخ وصال کے ساتھ ساتھ حضرت داتا صاحبؒ کے قیام لاہور کی تاریخوں میں تضاد پایا جاتا ہے جس پر محققین کی رائے یہ ہے کہ مندرجہ بالا روایت حضرت داتا صاحبؒ کی زندگی میں ایک افسانوی اضافہ ہے کیونکہ خواجہ حسین زنجانیؒ حضرت داتا صاحبؒ کے زمانے کے بعد لاہور میں آئے اور ۴۳۱ ہجری میں سلطان محمود غزنوی کے جانشین سلطان ناصر الدین اول کے عہد میں ان کے وفات پانے کی روایت کی تصدیق نہیں ہوتی۔ حضرت زنجانی رحمتہ اللہ علیہ جو حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کے مکتبہ فکر سے منسلک تھے سید یعقوب صدر دیوان زنجانی کے ہمراہ لاہور آئے تھے اور روحانی امور سے مزین تھے، ۶۰۰ ہجری (۱۲۰۳ عیسوی) میں ان کا وصال ہوا اور خزینتہ الاصفیا اور حدیقتہ الاولیاء کے حوالے سے ان کی تاریخ وفات ان اشعار سے ۶۰۰ ہجری ثابت ہوتی ہے۔

●

شیخ دین مہر زندہ آفاق — پیر واقف حسین زنجانی
جستم از دل چو سال ترحیلش — گفت عارف حسین زنجانی

■

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ حضرت داتا صاحبؒ کے مرشد حقیقی حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلی رحمتہ اللہ علیہ کا وصال دمشق کی ایک قریبی گھاٹی کے گاؤں بیت الجن میں ہوا اور اس وقت حضرت داتا صاحبؒ نہ صرف وہاں موجود تھے بلکہ بوقت رخصت مرشد حقیقی کا سر ان کی گود میں تھا۔ دم آخر سے پہلے مرشد حقیقی نے انہیں ایک وصیت بھی کی تھی اور حضرت داتا صاحبؒ نے لکھا ہے کہ اس کے علاوہ مرشد حقیقی نے کوئی اور وصیت نہیں فرمائی ورنہ حضرت داتا صاحب جب مرشد حقیقی سے ملاقاتوں اور ان کے اقوال کا ذکر بڑی عقیدت و احترام سے کرتے ہیں تو وہ یہ بھی ضرور لکھتے کہ انہیں مرشد حقیقی نے یہ بھی وصیت فرمائی کہ میں لاہور چلا جاؤں۔ کیونکہ محققین کی رائے میں حضرت داتا صاحبؒ کا برصغیر میں تشریف لانا اس لحاظ سے غیر معمولی واقعہ ہے کہ برصغیر میں ان کی آمد جنوبی ایشیا میں اسلام کی روحانی اور اخلاقی اقدار پر مبنی طرز زندگی کے ابھار اور اسلامی تہذیب و تمدن کے فروغ و استحکام کے لیے ٹھوس بنیاد نظر آتی ہے اس کے لیے اگر ان کے مرشد حقیقی نے لاہور جانے کا حکم دیا ہوتا تو حضرت داتا صاحبؒ اپنی زندگی کے اس کلائمکس کے واقعہ کا ضرور تذکرہ فرماتے لہٰذا حضرت داتا صاحبؒ کی لاہور میں آمد اور شیخ زنجانیؒ کی وفات کا واقعہ تاریخی طور پر صحیح ثابت نہیں ہوتا۔ اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت داتا صاحبؒ نے کم و بیش اپنے عہد کے تمام مشاہیر اور اہم صوفیہ سے تعلقات کا ذکر کیا ہے اگر حضرت زنجانیؒ بھی اسی عہد کے ہوتے تو حضرت داتا صاحبؒ ان کا بھی تذکرہ کرتے۔ کیونکہ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ حضرت حسین زنجانی رحمتہ اللہ علیہ کی تاریخ وفات ۶۰۰ ہجری ہے تو دوسری طرف حضرت داتا صاحب کی تاریخ وفات ۴۸۱ ہجری اور ۵۰۰ ہجری کے درمیان ثابت ہوتی ہے جبکہ عام طور پر حضرت داتا صاحبؒ کی تاریخ وفات ۴۶۴ اور ۴۶۵ ہجری میں بیان کی جاتی ہے اس اختلاف کے پیش نظر ضروری ہے کہ اس تحقیقی مواد پر بھی غور کیا جائے جو حال ہی میں سامنے آیا ہے۔ یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور کے اسلامیات، عربی اور فارسی کے مدرس غلام جیلانی مخدوم نے اپنی تالیف سیرت گنج بخشؒ (مطبوعہ ۱۹۸۲ء) میں مختلف شہادتوں کی مدد سے لکھا ہے کہ مفتی غلام سرور لاہوری نے اپنی کتاب خزینتہ الاصفیا میں نفحات الانس اور اخبار الاصفیا کے حوالے سے لکھا کہ حضرت داتا صاحبؒ کا سن وفات ۴۶۵ ہجری ہے اور اسی سن وفات کو منظوم بھی کیا ہے۔ حالانکہ تاریخ وفات کے تعین کے بارے میں نفحات الانس کے مصنف مولانا نورالدین، عبدالرحمٰن جامیؒ نے اس مسئلہ پر اپنی حتمی رائے کا بالکل اظہار نہیں کیا۔ سفینتہ الاولیا میں دارا شکوہ نے ۴۶۴ ہجری اور ۴۶۵ ہجری کا تعین کیا ہے، مشہور مستشرق نکلسن نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ حضرت داتا صاحبؒ کی وفات لاہور میں ۴۶۵ ہجری اور ۴۶۹ ہجری کے درمیان واقع ہوتی ہے مزار پر کندہ قطعہ تاریخ سے بھی ۴۶۵ ہجری نکلتا ہے اور مولانا عبدالماجد دریابادیؒ بھی اسے ہی درست قرار دیتے ہیں۔ اس کے برعکس حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں سامی بیگ نے قاموس الاعلام میں حضرت داتا صاحبؒ کا سن وفات ۴۵۶ ہجری لکھا ہے۔

اکبری عہد کے مورخ مرزا لعل بیگ لعلی ولد شاہ قلی سلطان بدخشی کی تصنیف ثمرات القدس میں حضرت داتا صاحبؒ کا سن وفات ۴۵۶ ہجری نقل کیا ہے اسی طرح دائرۃ المعارف اسلامی، مخطوطات فارسی، تذکرہ علمائے ہند... ملک الشعرا بہار کی تصنیف، اسماعیل پاشا بغدادی کی اسمائے المصنفین بزم صوفیہ اور آب کوثر میں بھی حضرت داتا صاحبؒ کا سن وفات بھی ۴۵۶ ہجری لکھا ہے۔ محققین لکھتے ہیں کہ یہ وہ سنین ہیں جو حضرت داتا صاحبؒ کی مختلف کتابوں میں درج ہیں اور اسی سلسلے میں کشف المحجوب کے ذریعے حضرت داتا صاحبؒ کے سن وفات کا تعین کرنے میں جو راہنمائی حاصل ہوتی ہے مؤلف نے اپنی کتاب سیرت گنج بخشؒ میں اسی کی مدد سے لکھا ہے کہ کشف المحجوب میں حضرت داتا صاحبؒ نے شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ کو مرحوم قرار دیتے ہوئے ان کے حق میں دعائیہ کلمات کہے ہیں۔ مورخین کے مطابق شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ نے ۴ شعبان المعظم ۴۴۰ ہجری میں وفات پائی (اسرار التوحید)۔

کارنامہ بزرگان ایران مطبوعہ طہران میں شیخ ابوسعید ابوالخیر کا سن وفات بھی ۴۴۰ ہجری درج ہے اور ان کے سن وفات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ کشف المحجوب کے لکھنے کا زمانہ ۴۴۰ ہجری کے بعد کا ہے اور اس ثبوت کی بنیاد پر یہ وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ حضرت داتا صاحبؒ ۴۴۰ ہجری کے بعد لاہور میں موجود تھے۔ اس کے علاوہ کشف المحجوب میں جن دوسرے

مشاہیر صوفیہ کا تذکرہ ملتا ہے جو اس عہد میں زندہ تھے۔ ان میں شیخ ابوالقاسم گرگانیؒ بھی ہیں اور ان کے بارے میں حضرت داتا صاحبؒ نے لکھا ہے کہ:۔
"شیخ ابوالقاسم گرگانیؒ آج کے قطب ہیں اللہ تعالیٰ ان پر رحمت کرے۔۔۔"
اس جملے سے پتا چلتا ہے کہ حضرت داتا صاحب لاہور میں کشف المحجوب تصنیف فرما رہے تھے ، شیخ گرگانیؒ زندہ تھے اور تاریخ تصوف اسلام میں حضرت شیخ گرگانیؒ کا سن وفات ۴۵۰ ہجری بیان کیا گیا ہے۔ اس بنیاد پر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ۴۵۰ ہجری میں حضرت داتا صاحبؒ لاہور میں تھے اور کشف المحجوب لکھی جا رہی تھی۔ سن وفات کے تضاد کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ حضرت داتا صاحب کے مرشد حقیقی کا سن وفات علامہ ذہبی نے ۴۶۰ ہجری بیان کیا ہے جبکہ ان کے مرشد حقیقی کا وصال دمشق کے پہاڑی گاؤں بیت الجن میں ہوا اور حضرت داتا صاحب نے مرشد حقیقی کے وصال کے وقت اپنی موجودگی کا ذکر بھی کیا ہے ، چنانچہ باور کرنا پڑتا ہے کہ حضرت داتا صاحبؒ ۴۶۰ ہجری تک بقید حیات تھے اور اس کے بعد لاہور تشریف لائے ۔

کشف المحجوب میں ایک اور جگہ حضرت داتا صاحبؒ نے اپنے ایک اور استاد امام قشیریؒ نیشاپوری سے فیض حاصل کرنے کا ذکر فرمایا ہے اور قشیری رحمۃ اللہ علیہ کا سن وفات ۴۶۵ ہجری ہے جس سے ایک اور ثبوت اس بات کا ملتا ہے کہ حضرت داتا صاحبؒ ۴۶۵ ہجری میں لاہور قیام پذیر تھے ۔ اور کشف المحجوب ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی۔ شیراز کے ایک اور عالی مرتبت صوفی ابوالحسن سالبہ بن ابراہیم رحؒ کا بھی حضرت داتا صاحب نے تذکرہ فرمایا ہے اور اس عبارت سے جو ان الفاظ پر مشتمل ہے کہ ۔

شیخ الشیوخ ابوالفتح سالبہ نیک و پارسا باپ کے فرزند ہیں۔ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جس زمانے میں کشف المحجوب لکھی جا رہی تھی شیخ سالبہؒ کے والد وفات پا چکے تھے اور شیخ ابوالفتح سالبہ بقید حیات تھے۔ ابن جوزی کی تحریر کی رُو سے ابوالحسن سالبہؒ نے ۴۷۳ ہجری میں وفات پائی جو اس بات کا ایک اور ثبوت ہے کہ حضرت داتا صاحبؒ ۴۷۳ ہجری کے بعد تک بقید حیات تھے۔ اس سلسلے میں کشف المحجوب سے ایسی اور بھی شہادتیں ملتی ہیں جن کے مطابق حضرت داتا صاحبؒ نے ایک اور بزرگ ابوعلی فضل بن محمدؒ کا تذکرہ دعائیہ جملوں سے کیا ہے اور ان بزرگ کا سن وفات ۴۷۷ ہجری ہے جو یہ ثابت کرتا ہے کہ حضرت داتا صاحبؒ ۴۷۷ ہجری کے بعد بھی بقید حیات تھے۔
ہرات کے ایک دوسرے بزرگ خواجہ عبداللہ انصاری کا بھی کشف المحجوب میں ذکر ملتا ہے اور مورخین میں یہ اتفاق پایا جاتا ہے کہ پیر انصاری کی وفات ۴۸۱ ہجری میں ہوئی۔ مؤلف نے "سیرت گنج بخش" میں سن وفات کے بارے میں مفصل بحث کرتے ہوئے کشف المحجوب کے قدیم ترین قلمی نسخے کا حوالہ دیا ہے یہ قلمی نسخہ جو ساتویں ہجری میں نقل ہوا اس سے بڑھ کر کوئی بھی پرانا نسخہ ابھی تک نہیں ملا اور ڈاکٹر محمد شفیع مرحوم کے ذاتی کتب خانے میں موجود ہے۔ اس نسخہ کے صفحہ نمبر ۷ پر یہ عبارت درج ہے کہ پیر گفت یعنی خواجہ عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ لاہور مطبوعہ نسخے کے صفحہ نمبر ۱۹۳ اور سمرقند کے مطبوعہ نسخے کے صفحہ نمبر ۱۲ پر بھی عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ درج ہے۔ لینن گراڈ میں جو نسخہ شائع ہوا ہے اس کے صفحہ ۲۸ پر پیر گفت رحم چھپا ہوا ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ صرف ان افراد کے بارے میں احتراماً لکھے جاتے ہیں جو اس جہان میں موجود نہ ہوں اس لیے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جب کشف المحجوب کی تصنیف ابتدائی مرحل میں تھی ہرات کے پیر انصاری وفات پا چکے تھے اور حضرت داتا صاحبؒ لاہور میں تھے اور کشف المحجوب کے ابتدائی ابواب لکھ رہے تھے جب کہ پیر انصاریؒ کا سن وفات ۴۸۱ ہجری ہے لہٰذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ کشف المحجوب کی تصنیف کا عہد ۴۸۱ ہجری اور ۵۰۰ ہجری تک ہے اسی زمانے میں حضرت داتا صاحبؒ لاہور میں موجود تھے۔ ایک اور بزرگ شیخ اوحد قسورہ بن محمد گردیزی کا بھی حضرت داتا صاحب نے تذکرہ فرمایا ہے جو اس قیاس کی تصدیق کرتا ہے کہ حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۴۸۱ ہجری اور ۵۰۰ ہجری کے درمیان اس جہان فانی سے روپوش ہوئے۔ شیخ قسورہ کے خاندان کے افراد کے مطابق جو ملتان میں رہتے ہیں ان کا اصل نام شاہ علی تھا اور وہ شاہ یوسف گردیزی کے دادا تھے ان کا مزار کابل کے جنوب میں صوبہ پنختیا کے مقام گردیز میں ہے اور ان کے متعلق اس کی ٹھوس شہادتیں ملتی ہیں کہ انہوں نے پانچویں صدی ہجری کے آخر میں وفات پائی اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ کشف المحجوب کی تکمیل کا عہد پانچویں صدی ہجری ہے لہٰذا اس تحقیق کی روشنی میں یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ حضرت داتا صاحبؒ نے ۴۸۱ ہجری اور ۵۰۰ ہجری کے درمیان وفات پائی ہو گی۔ مؤلف نے مزار پر درج سن تاریخ کے بارے میں اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ اس تحریر کے پرانا ہونے کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔ اس کے علاوہ مفتی غلام مرتب خزینۃ الاصفیا میں لکھا ہے کہ ۱۲۷۸ ہجری میں حاجی نور محمد نقیر نے حضرت داتا صاحب کے مزار پر گنبد تعمیر کرایا تھا اور اس کے ساتھ پرانی مسجد بھی تعمیر کرائی تھی۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ موجودہ کتبہ جس پر ۴۶۵ ہجری سن وفات درج ہے اسی زمانے میں نصب کیا گیا ہو گا اور مزار شریف کے اندر جو لوح تعویذ ہے وہ عبدالمجید پروین رقم متوفی ۱۹۴۶ء کی لکھی ہوئی ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ لوح تعویذ قیام پاکستان سے ایک سال پیشتر لکھوائی گئی ہو گی لہٰذا یہ باور نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت داتا صاحب کی وفات ۴۶۵ ہجری میں ہوئی جب واقعات و حالات کی چھان بین سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت داتا صاحب رحؒ ۴۸۱ ہجری تک لاہور میں تھے اور کشف المحجوب تصنیف کے آخری مراحل میں تھی ۔

اس تفصیل اور تحقیق کے بیان کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ اس کا صحیح تعین کیا جا سکے۔ حضرت داتا صاحبؒ کب لاہور تشریف لائے اور انہوں نے کتنی طویل مدت تک لاہور میں رہ کر برصغیر کی فضاؤں کو توحید سے منور کیا اس کے علاوہ اس افسانوی اضافہ کی حقیقت بھی ظاہر ہو جائے جو ان کی برصغیر میں آمد کے سلسلے میں بنیاد کے طور پر بھی اور بیان کی جاتی ہے جیسا کہ تاریخی حوالوں سے پتا چلتا ہے کہ آپ کا سن ولادت ۴۰۰ ہجری کے لگ بھگ ہے جب سلطنت غزنی عروج پر تھی اور حضرت داتا صاحب رحؒ سلطان مسعود ناصر الدین اول بن سلطان محمود کے عہد میں لاہور آئے جو قریب قریب ۴۲۱ ہجری ہے اس کا مطلب ہے کہ اس وقت حضرت داتا صاحب رحؒ کی عمر تیس اور اکتیس سال تھی

اور ۴۸۱ھ سے ۵۰۰ ہجری تک آپ کے لاہور میں ہونے کی شہادت کئی واقعات سے ملتی ہے۔ اس لیے لاہور میں ان کے قیام کا عرصہ قریب قریب پچاس سال پر مشتمل ہے اور غالباً حضرت داتا صاحبؒ نے جب وصال پایا تو ان کی عمر ۸۰ سے ۹۰ سال کی تھی۔

لاہور میں

حضرت داتا صاحبؒ جب لاہور تشریف لائے تو یہ ان کے شباب کا زمانہ تھا اور انہوں نے دریائے راوی کے مشرقی کنارے پر قیام کیا تو ان کے دو رفیق شیخ احمد سرخسیؒ اور شیخ ابوسعید غزنوی ان کے ہمراہ تھے۔ شیخ سرخسیؒ کے بارے میں حضرت داتا صاحبؒ نے مختلف مقام پہ تذکرہ کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ ان کے رفیق سفر تھے۔ اس وقت دریائے راوی شہر کے بہت ہی قریب بہتا تھا اور شہری آبادی کنارے سے زیادہ دور نہیں تھی اور کنارے کے اسی حصے سے دریا پار کیا جاتا تھا اس کا مطلب ہے کہ کنارے کے جس حصے پہ حضرت داتا صاحبؒ نے قیام فرمایا وہاں صبح و شام لوگوں کی آمد و رفت رہتی تھی اور اس جگہ حضرت داتا صاحبؒ کا قیام کرنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ تبلیغ دین اور لوگوں کی روحانی اصلاح کے مقصد کے پیش نظر حضرت داتا صاحبؒ نے یہی جگہ مناسب سمجھی جہاں لوگوں کی آمد و رفت ہو۔ حالانکہ اس دور میں ہندو راجاؤں کی اسلام دشمنی نکتۂ عروج پر تھی اور عوام ہندو جوگیوں کے شعبدوں کی وجہ سے مرعوب اور لرزاں و ترساں تھے۔ حضرت داتا صاحبؒ کی لاہور میں آمد کے فوراً بعد تبلیغی سرگرمیاں شروع ہو گئیں اور درس و تدریس کا آغاز ہو گیا۔ جو بھی ایک مرتبہ انہیں دیکھ لیتا گرویدہ ہو جاتا۔ مفتی غلام سرور کی تحقیق کے مطابق روزانہ سینکڑوں لوگ ان کو ملنے آتے اور ان کے درس سے فیضیاب ہوتے۔ ہندو راجاؤں کے خوف سے دور دراز کے علاقوں میں پناہ گزین ہونے والے مسلمانوں کو حضرت داتا صاحبؒ کی آمد کی خبر ملی تو وہ بھی پناہ گاہوں سے باہر آ گئے۔ توحید پرستوں کی ایک جماعت اپنے آپ تشکیل پانے لگی۔ طالبان حق کی تلقین اور اصلاح کے لیے رات کو ایک محفل لگتی۔ دن کے وقت دکھوں، بیماریوں اور غموں کے ہاتھوں لاچار لوگ جینے کا حوصلہ حاصل کرتے۔

دور دور تک ظلم و ستم کے مارے ہوئے لوگوں میں اس مسیحا نفس کی خبر پھیل گئی۔ ہر طرف علم و عرفان کے چراغ روشن ہونے لگے اور لاہور میں ہندو جوگیوں میں اضطراب پھیل گیا جنہوں نے بھولے بھالے عوام پر اپنے مافوق الفطرت ہونے کا سحر کیا ہوا تھا۔ بدکاروں میں نیکی کی کرنیں پھوٹنے لگیں۔ باشعور لوگ اسلام کے تصور توحید کا فہم حاصل کر کے ہزاروں سالوں سے ذات پات کے نظام کی بوسیدہ سوسائٹی سے الگ تھلگ ہوتے گئے۔ حلقہ بگوش اسلام ہو کر فکر و عمل کی نئی وسعتوں سے آشنا ہوتے گئے۔ اس وقت لاہور اہل علم و فضل کے لیے مرکز کشش بنا ہوا تھا اور گمراہی کے اندھیرے چھٹ رہے تھے حضرت داتا صاحب اسلام کے فلسفۂ اخلاق کے پیکر میں ایک نجات دہندہ کی طرح ابھرے اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کی ذات ایک درس گاہ کی حیثیت اختیار کر گئی جو کوئی بھی ان کا ذکر سنتا انہیں دیکھنے کے لیے بے تاب ہو جاتا اور جب ان کی شخصیت سے نکلنے والی معرفت کی شعاعوں کی حدود میں آتا تو اس کی روح کو ہمیشہ کے لیے گھٹن اور بے بسی سے نجات مل جاتی۔ لوگ ان کے مشفقانہ سلوک کے گرویدہ ہو جاتے اور ان کے حکیمانہ اقوال کو اپنی زندگیوں کا حصہ بنا لیتے۔ حضرت داتا صاحبؒ کی درس گاہ کے دروازے ہر ایک کے لیے کھلے تھے۔ عقل کے دیوانے ان سے بحث و مباحثہ کرتے اور ان کی حکمت افروز باتوں سے بصیرت حاصل کر کے واپس جا رہے ہوتے تو ان کے اندر ایک نئے انسان کا ظہور ہو رہا ہوتا۔ ایک خود کار نظام کے تحت ایک لنگر خانہ وجود میں آ گیا تھا جہاں صبح و شام ہر ادنیٰ و اعلیٰ کو کھانا ملتا۔ مسافروں کے لیے الگ انتظام تھا اور طالب علموں کا حلقہ وسیع تر ہوتا گیا۔ حضرت داتا صاحبؒ کے لیے عقیدت مندوں نے ایک حجرہ الگ تعمیر کیا جہاں وہ آرام فرماتے تھے۔ حکمرانوں کو بڑی تشویش تھی لیکن کسی کو بھی اس طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہ ہوئی اور وہ شہر جہاں کچھ عرصہ پہلے ایک بھی مسلمان نہیں تھا دوبارہ اللہ اکبر کی صداؤں سے گونجنے لگا۔ دور دور سے عالم فاضل لاہور آ کر آباد ہونے لگے اور دین اسلام کے فروغ کے مرکز قائم ہوتے گئے۔ ہندو جوگیوں کے تمام خاندان حضرت داتا صاحبؒ کی روحانی عظمتوں سے فیض یاب ہو کر اسلام قبول کر چکے تھے جن میں راجو جوگی کا نام اکثر کتابوں میں ملتا ہے۔

کچھ عرصہ بعد حضرت داتا صاحبؒ نے بھاٹی دروازہ کے باہر مغربی حصے میں ایک مسجد تعمیر کرانا شروع کر دی جس کا رخ دوسری مسجدوں کی نسبت قبلہ سے جنوب کی طرف مائل تھا۔ اس وقت لاہور میں موجود علماء نے مسجد کے قبلہ کے متعلق کچھ اعتراضات کرنا شروع کر دیئے کہ مسجد کا قبلہ درست نہیں ہے۔ ان باتوں کی اطلاع حضرت داتا صاحبؒ کو ملی تو انہوں نے مسجد کی تعمیر مکمل ہونے پر تمام علمائے کرام اور دینی رہنماؤں کو دعوت دی اور خود امام بن کر اسی مسجد میں نماز پڑھائی نماز سے فارغ ہو کر حضرت داتا صاحبؒ نے نماز میں شریک تمام حضرات سے فرمایا کہ آپ اس بات پر اعتراض کرتے ہیں کہ مسجد کا قبلہ درست نہیں۔ مگر اب آپ دیکھیں کہ قبلہ کس طرف ہے لوگوں نے قبلہ کی طرف آنکھیں اٹھائیں تو قبلہ ان کے سامنے تھا۔ تمام لوگ پکار اٹھے کہ ہم نے قبلہ کا رخ ہی نہیں دیکھا قبلہ دیکھا ہے۔ حضرت داتا صاحبؒ کے اس واقعہ سے لوگ آپ کو قطب الاقطاب کے نام سے پکارنے لگے۔ ان کی صوفیانہ تعلیمات ہر طبقہ خیال میں مسلمہ تسلیم کی جانے لگیں اور حضرت داتا صاحبؒ کی روحانی درس گاہ سے علوم معرفت سے بہرہ ور ہو کر سینکڑوں توحید پرست پورے جنوبی ایشیا اور جنوب مغربی ایشیا کے علاقوں میں پھیل کر روح کی پاکیزگی کے اسلامی فکر و عمل کی روشنی پھیلانے لگے اور لاہور میں جس جگہ حضرت داتا صاحبؒ نے قیام فرمایا تھا۔ ان کی زندگی میں ہی روحانی مرکز کی حیثیت اختیار کر گئی تھی۔ یہاں قیام فرمانے کے بعد حضرت داتا صاحبؒ کا سلسلۂ سیر و سیاحت ختم ہو گیا تھا اور لاہور سے باہر جانے یا لاہور ہی میں کسی دوسری جگہ پر ان کے تشریف لے جانے کی کسی بھی حوالے سے تصدیق نہیں ہوتی۔ ملتان میں آپ نے اپنے قیام کے دوران جن تاثرات کا اظہار کیا ہے وہ ان کے لاہور تشریف لانے سے پہلے کا واقعہ ہے۔

لاہور میں آپ کے رشد و ہدایت کا سلسلہ نصف صدی سے زائد کے عرصہ پر محیط ہے اس دوران برصغیر میں جس انقلاب کی بنیاد حضرت داتا صاحبؒ نے رکھی اس سے ایک نئی طرز حیات نے جنم لیا۔ فکر و نظر کے زاویئے تبدیل

ہو گئے۔ اور انسانی زندگی کو اپنے حقیقی مقاصد کا سراغ ملنا شروع ہو گیا... برہمن ازم کا طلسم پاش پاش ہوتے ہی اسلام کے درس آزادی اور مساوات نے انسانوں کو انسان کے استحصال سے نجات دلانے کی راہیں روشن کر دیں اور توہمات کے اندھیرے دور ہونے سے سماجی اور معاشرتی زندگی میں برہمن ازم کے حوالے سے پیدا ہونے والی پراگندگی اور بے راہ روی کا آسیب بھی دم توڑنے لگا۔

برصغیر میں لاہور کو شہروں کا قطب ہونے کا درجہ بھی حضرت داتا صاحبؒ کی بدولت حاصل ہوا۔ وصال حق کے بعد آپ کو اسی شہر میں دفن کیا گیا اور انہیں اپنی تعمیر کردہ مسجد کے پہلو میں جگہ ملی جسے عالی مرتبت صوفیا اور اولیا کرام نے کعبہ پنجاب کا نام دیا ہے اسی مسجد کے ساتھ ایک حجرہ بھی تھا جہاں حضرت داتا صاحبؒ خلوت فرمایا کرتے تھے۔ اس حجرے کے آثار اب باقی نہیں ہیں۔ پرانی مسجد کا بھی کوئی نشان نہیں ہے۔ کیونکہ کچھ عرصہ بعد گلزار شاہ نامی ایک عقیدت مند نے کافی محنت اور سرمائے سے پرانی مسجد کی بنیادوں پر تعمیر نو کروائی اور آپ کے مزار کی تعمیر کی سعادت سب سے پہلے سلطان محمود غزنوی کے برادر زادہ ظہیر الدولہ سلطان ابراہیم کو حاصل ہوئی آپ کے مزار پر بڑے بڑے سلاطین وقت غلاموں کی طرح حاضر ہوتے رہے ہیں۔ سلطان ابراہیم غزنوی، سلطان معز الدولہ غزنوی، سلطان خسرو ملک غزنوی سلطان قطب الدین ایبک، سلطان محمد غزنوی، سلطان التمش، سلطان غیاث الدین بلبن۔ سلاطین خاندان سادات، جلال الدین اکبر، نور دین جہانگیر اور دارا شکوہ بھی آپ کے مزار پر عقیدتوں کے پھول نچھاور کرتے رہے ہیں۔۔ دارا شکوہ کو آپ کی ذات سے اتنا لگاؤ تھا کہ وہ حضرت داتا صاحبؒ کی نسبت سے غزنی میں آپ کے والد، والدہ اور ماموں تاج اولیاء کے مزار پر بھی حاضری کے لیے جاتا رہا۔ لیکن داتا علی ہجویریؒ کی عظمت اس سے کہیں بلند ہے کہ یہاں سلاطین وقت سر جھکاتے رہے ہیں اور جھکاتے ہیں۔ بلکہ عظمت کی علامت وہ عالی مرتبت صوفیائے کرام ہیں جنہیں حضرت داتا علی ہجویریؒ کے مزار اقدس سے تکمیل معرفت نصیب ہوئی اور وہ برصغیر میں آسمان معرفت پر آفتاب جہاں تاب بن کر طلوع ہوئے آج بھی ان کے نور سے قلب ونظر کو طمانیت ملتی ہے اور روحوں کو پاکیزگی نصیب ہوتی ہے:

برصغیر کے سلسلہ چشتیہ کے بانی حضرت خواجہ خواجگان معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کو آپ ہی مزار پر چلہ کشی کرنے کے بعد عرفان معرفت حاصل ہوا اور انہوں نے اس شعر کے ذریعہ حضرت داتا صاحبؒ کے حضور خراج عقیدت پیش کیا۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

حضرت بابا فرید شکر گنج رحمتہ اللہ علیہ، حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ حضرت شاہ حسین رحمتہ اللہ علیہ اور کئی اکابر صوفیہ اور مشائخ نے بھی حضرت داتا صاحبؒ کے مزار اقدس سے فیض حاصل کیا اور ان ہزاروں لاکھوں طالبان حق کی فہرست مرتب کرنا آسان نہیں ہے جو آپ کی درگاہ کی وساطت سے مقبول حق ہوئے اور جہاں میں فقر و درویشی کے نشان بن کر زندہ رہے۔ آج کے دور میں شیر ربانی حضرت شیر محمد شرقپوریؒ ہر جمعرات ننگے پیر حاضری دینے آتے تھے اور میرے مرشد حبیب الرحمان برقی رحمتہ اللہ علیہ عالم پیری میں بھی حضرت داتا صاحبؒ کے سالانہ عرس کے موقع پر زبردست ہجوم کے باوجود مزار اقدس پر حاضری دینے کو سعادت سمجھتے تھے۔ جھنگ ملتان روڈ پر امین پورہ کے سندھی درویش حضرت راحمی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے مجھے بتایا تھا کہ وہ دس سال تک حضرت داتا صاحبؒ کے مزار شریف کے ماحول اور فضا میں فنائے ذات کے پروسس سے گزرے اور اسی مقدس مقام پر انہیں اپنی منزل ملی۔ میں نے بارہا دیکھا کہ حضرت داتا صاحبؒ کے ذکر سے ان پر سرمدی کیفیت طاری ہو جاتی تھی:

حضرت داتا صاحبؒ کے مزار شریف میں توسیع و تزئین کا سلسلہ صدیوں سے جاری ہے۔ جلال الدین اکبر نے ایک جنگی مہم سے پہلے خانقاہ کا فرش اور ڈیوڑھی بنوانے کی سعادت حاصل کی۔ مغل دور میں بھی تعمیر کا عمل آگے بڑھا اور مزار کے آس پاس قبرستان بن گیا۔ سکھوں کے عہد میں اس قبرستان کو زمین بوس کر دیا گیا لیکن مزار کی حرمت کے منافی قدم اٹھانے کی کسی سکھ کو جرأت نہ ہوئی اور رنجیت سنگھ کے خصوصی فیل بان عوض خان نے چبوترے کے گرد ایک جنگلہ تعمیر کروایا۔ رنجیت سنگھ نے اپنی حکومت کے آغاز میں مزار مبارک پر مغل دور کے جڑے ہوئے ہیرے اور جواہرات اتار لیے تھے۔ مگر اس کے باوجود وہ مزار کے اخراجات کے لیے ہر ماہ ایک خاص رقم بھی نذر کرتا تھا۔ پشاور پر قبضہ کے بعد رنجیت سنگھ کو دس گرہ لمبا اور چھ گرہ چوڑا ایک نادر قرآن مجید ملا اور اس نے یہ نادر قرآن مجید آستانہ ہجویری پر رکھوا دیا۔

سو سال قبل آستانہ ہجویری پر اس قسم کے آٹھ نادر قرآن مجید زیارت کے موجود تھے۔ ان میں سے تین قرآن مجید امرتسر کے تاجر محمد خان، شیخ غلام محی الدین صوبیدار کشمیر اور لاہور کے میاں یلیین نے نذر کیے تھے۔ ان کے علاوہ خط بہاری اور خط ملتانی کے دو نادر نسخے بھی آستانہ ہجویری پر موجود تھے:

سکھ رانی چندرکورہ کو حضرت داتا صاحبؒ سے والہانہ عقیدت تھی اور اس نے ۱۸۳۸ء میں مزار شریف کے سامنے ایک دالان تعمیر کروایا۔

مغل دور میں لاہور کے آخری گورنر میر مومن خان حضرت داتا صاحبؒ کے زبردست طالب تھے اس نے مرنے سے پیشتر یہ وصیت کی کہ مجھے درگاہ میں اس مقام پر دفن کیا جائے جہاں زائرین جوتے اتارتے ہیں تاکہ مجھے مزار پر حاضری دینے والوں کا جوتا بردار ہونے کا فخر حاصل رہے۔ لاہور کے اس آخری مغل حاکم کی قبر کا نشان خواجہ خواجگان معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کے حجرہ اعتکاف کے سامنے مسجد کے دروازے کے آگے لگا ہوا ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ حضرت داتا صاحبؒ کے مزار اور مسجد کی تعمیر و توسیع میں عقیدت مندوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔ درگاہ کے جنوبی اور مشرقی دالان محمد بخش دال گراں کی ایک عقیدت مند نے بنوائے اور شمالی دالان شیخ فیروز دین کی لڑکی نے بنوایا تھا مولوی حاجی فیروز دین نے سنگ مرمر کی جالیاں، گنبد کی چھت اور مزار کی بیرونی تعمیر کروائی۔ مزار کا سنہری کلس مستری امیر مرحوم نے سونا لگوا کر بنوایا تھا مزار کی سنگ مرمر کی بنی ہوئی غلام گردش کی تعمیر کے اخراجات امیر النسا زوجہ شاہ نواز جوگی نے ادا کیے تھے۔ مزار شریف کی لکڑی کا جنگلہ سات دھاتوں کا بنا ہوا ہے اور اس پر لاہور کے حاجی دین محمد کا نام کندہ ہے۔

مزار شریف کے احاطہ میں میر مومن خان حاکم لاہور کی قبر کے علاوہ اور بھی قبریں ہیں۔ مزار کے مشرق میں شیخ ہندی کا مزار ہے جس کا نام راجے راجو جوگی تھا اور بعد میں مسلمان ہو کر آستانہ ہجویری کی خدمت پہ مامور ہوا اور آستانہ ہجویری کی مجاورگی سالہا سال تک اسی خاندان کے پاس رہی چنانچہ شیخ ہندی کے بیٹوں اور ان کی اولادوں اور ان کے علاوہ چند معروف حضرات مولوی فیروز الدین سجادہ نشین، غلام حیدر، تاجر شیخ محمد امین، مولانا ابوالحسنات اور حضرت داتا صاحب کے خاص مریدوں اور عقیدت مندوں کی قبریں بھی مزار شریف کے آس پاس موجود ہیں۔ مزار کے پرانے صدر دروازے پہ بائیں جانب غلام رسول کا مزار ہے۔ غلام رسول لاہور شہر کے ایک قدیمی خاندان کے وہ خوش نصیب ہیں جنہیں مسجد کو نئے سرے سے تعمیر کرانے کی سعادت نصیب ہوئی اور یہ فلم اداکار اسلم پرویز کے جدِ امجد ہیں۔ حاجی غلام رسول کے مزار کے ساتھ حضرت حضوری شاہ کی آخری آرام گاہ ہے جو حضرت داتا صاحب کے پھوپھی زاد بھائی تھے اور حضرت کی زندگی میں ہی غزنی سے لاہور تشریف لائے تھے اس سے آگے حضرت خواجہ معین الدین چشتی کا حجرہ اعتکاف ہے اور چند گز کے فاصلے پر سبز گنبد کے نیچے حضرت داتا صاحب کا مزار پُرانوار ہے۔ مرقد مبارک پر سبز رنگ کا غلاف چڑھا ہوتا ہے اور اس پر منت گزاروں کی طرف سے روزانہ قیمتی ریشم واطلس کی چادریں چڑھائی جاتی ہیں۔ حضرت داتا صاحب کے رفیقانِ سفر ان کے مرشد حقیقی کے حلقہ ارشاد کے پسندیدہ طالب اور راہ حق کے پر استقامت مسافر شیخ احمد سرخسیؒ اور شیخ ابوسعید غزنیؒ ان کے پہلو میں ابدی نیند سو رہے ہیں مزار شریف کے چاروں طرف صبح وشام کلام پاک کی تلاوت ہوتی ہے اور درود و سلام پڑھا جاتا ہے۔ مزار شریف کے شمال میں پانی کا ایک چھوٹا سا حوض ہے اب جدید شکل اختیار کر گیا ہے۔ عقیدت مند اور زائرین اس حوض کے پانی کو پیتے ہیں۔ آنکھوں سے لگا کر سکون پاتے ہیں اور اپنے گھروں میں برکت کے لیے لے جاتے ہیں۔ میں نے اپنے مرشدوں اور پیر علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ کے عاشقوں سے سنا ہے کہ اس حوض کا پانی آبِ شفا کی حیثیت رکھتا ہے۔ روحانی، جسمانی بیماریوں کے لیے اکسیر حیات ہے اور یہ وہ مقام ہے جہاں حضرت داتا صاحبؒ نے سب سے پہلے اپنے قدم مبارک روکے تھے اور قیام فرمایا تھا۔

مزار شریف کے گرد سنگ مرمر کی چاردیواری اور مختلف جگہوں پر ایسے اشعار کندہ ہیں جو حضرت داتا صاحبؒ کی روحانی عظمتوں کی ترجمانی کرتے ہیں۔ ۔ ۔ اور صوفیائے کرام کی تعلیمات پر مبنی ہیں۔ پائنتی کے سرخ نو تعمیر شدہ دروازے پہ ایوب خان کے عہد کے گورنر مغربی پاکستان اختر حسین کے نام کا پتھر نصب ہے جنہوں نے تعمیر نو کا سنگِ بنیاد رکھا اور ڈیوڑھی کے اندر کے دروازے پہ عوامی حکومت کے وزیر اعلیٰ سندھ غلام مصطفیٰ جتوئی کے نذرانۂ عقیدت کی تختی نصب ہے اور مسجد کے مشرق کی طرف بازار کی جانب ایک بلند دروازے پہ لاہور کے معروف خطاط دین محمد کاتب کے لکھے ہوئے اشعار کندہ ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چوں بنا شد از غلامان رسول
مسجدے بر آستان گنج بخش
خو ستم سال بنائش ناگہاں
ہاتفے از عاکفان گنج بخش
گردن از مسجد بدل آورد و گفت
سجدہ گاہِ زائران گنج بخش

اسی طرح مولانا روم، مولانا جامی، علامہ اقبال کے اشعار بھی کندہ ہیں چاردیواری کے اندر حضرت داتا صاحبؒ کے ارشادات لکھے ہوئے ہیں۔

"نفس کو اس کی خواہش سے دور رکھنا حقیقت کے دروازے کی چابی ہے۔" اس کے علاوہ یہ دعائیہ اشعار زائرین کے قلب ونظر کو طاقت عطا کرتے ہیں۔

بر آستانِ تو ہر کس رسید مطلب یافت
روا مدار کہ من نا امید برگردم
گنج بخش آپ کی آفاق میں مشہور ہے
نرغۂ اعداء میں یہ قلبِ حزیں محصور ہے
دل دہی خستہ دلوں کی آپ کا دستور ہے
یا علیؒ امداد کیجیے منتظر مجبور ہے
نوازشِ دلِ ماکن کہ دلنواز توئی
بساز کارِ غریباں کہ کارساز توئی

گزشتہ ایک ہزار سال سے حضرت داتا صاحبؒ کی عظمتوں کے حضور شاعر، مفکر درویش اور عارف نذرانۂ عقیدت پیش کر رہے ہیں۔ شاعرِ مشرق علامہ اقبالؒ نے اپنی ایک طویل فارسی نظم میں حضرت داتا صاحبؒ کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ہے۔

سیدِ ہجویر مخدومِ امم   مرقدِ او پیرِ سنجر را حرم
بندہائے کوہسار آساں گسیخت   در زمینِ ہند تخمِ سجدہ ریخت
عہدِ فاروق از جمالش تازہ شد   حق ز حرفِ او بلند آوازہ شد
پاسبانِ عزتِ امّ الکتاب   از نگاہش خانۂ باطل خراب
خاکِ پنجاب از دمِ او زندہ گشت   صبحِ ما از مہرِ او تابندہ گشت
عاشق و ہم قاصدِ طیارِ عشق   از جبینش آشکار اسرارِ عشق
داستانے از کمالش سر کنم   گلشنے در غنچۂ مضمر کنم
نوجوانے قامتش بالا چو سرو   واردِ لاہور شد از شہرِ مرو
رفت پیشِ سیدِ والاجناب   تا رباید ظلمتش را آفتاب
گفت محصورِ صفِ اعدا استم   درمیاں سنگہا مینا استم
با من آموز اے شہِ گردوں مکاں   زندگی کردن میانِ دشمناں
پیرِ دانائے کہ در ذاتش جمال   بستہ پیمانِ محبت با جلال
گفت اے نامحرم از رازِ حیات   غافل از انجام و آغازِ حیات
فارغ از اندیشۂ اغیار شو   قوتِ خوابیدۂ بیدار شو
سنگ چوں بر خود گمانِ شیشہ کرد   شیشہ گردید و شکستن پیشہ کرد
ناتواں خود را اگر رہرو شمرد   نقدِ جانِ خویش با رہزن سپرد
تا کجا خود را شماری ماء و طین   از گلِ خود شعلۂ طور آفریں
با عزیزاں سرگراں بودن چرا   شکوہ سنجِ دشمناں بودن چرا
راست می گویم عدو ہم یارِ تست   ہستیِ او رونقِ بازارِ تست

ہر کرا مکئے مقاماتِ خودی است — فضلِ حق داند اگر دشمن قوی است
کشتِ انسان را عدو باشد سحاب — ممکناتش را برانگیزد ز خواب
سنگِ راہ آب است اگر ہمت قوی است — سیل را پست و بلندِ جادہ چیست
سنگِ رہ گردد فسانِ تیغِ عزم — قطعِ منزل امتحانِ تیغِ عزم
مثلِ حیواں خوردن آسودن چہ سود — گر بخود محکم نہ بودن چہ سود
خویش را چوں از خودی محکم کنی — تو اگر خواہی جہاں برہم کنی
گر فنا خواہی ز خود آزاد شو — گر بقا خواہی بخود آباد شو
چیست مردن از خودی غافل شدن — تو چہ پنداری فراقِ جان و تن
در خودی کن صورتِ یوسف مقام — از اسیری تا شہنشاہی خرام
از خودی اندیش و مردِ کار شو — مردِ حق شو حاملِ اسرار شو
شرحِ راز از داستاں ہا می کنم — غنچہ از زورِ نفس وا می کنم

"خوشتر آں باشد کہ سرِ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں"

علامہ اقبالؒ کے۔ اس ہدیہ عقیدت کے کچھ اشعار مزار شریف پر کندہ ہیں اور جیسے جیسے وقت گزرتا جا رہا ہے۔ داتا علی ہجویریؒ کے مزار کی عظمتیں رفعت نشین ہو رہی ہیں اور وہ مقصد عظیم جس کے لیے حضرت داتا صاحبؒ لاہور میں تشریف لائے اور انقلاب پذیر ہو رہا ہے۔ برصغیر میں اسلام کے ضابطۂ حیات پر مبنی نظریاتی مملکت وجود میں آچکی ہے۔ لاہور میں جو داتا صاحبؒ کی نگری کے نام سے دنیا میں مشہور ہے اسلامی سربراہی کانفرنس اور پاکستان میں عالمی سیرت کانگریس کا انعقاد اسی انقلاب کا ایک حصہ ہے جس کی بنیاد حضرت داتا صاحبؒ نے یہاں رکھی اور آج حضرت داتا صاحبؒ کا مزار مبارک خلقِ خدا کی تمناؤں اور آرزوؤں کا مرکز ہے۔ روحانی سکون کا ابدی چشمہ ہے عوام آپ کو داتا گنج بخشؒ کے لقب سے یاد کرتے ہیں اور قمری سال کے دوسرے مہینے ۲۰ صفر کو آپ کا عرس بے پناہ عقیدت احترام سے منایا جاتا ہے۔ اب حضرت داتا صاحبؒ کا مزار بہت وسیع ہوتا جا رہا ہے۔ وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو جو برصغیر میں اسلام کی روحانی اور اخلاقی قدروں پر مبنی مسلم معاشرہ کی تعمیر کی تحریک کے جدید راہنما ہیں داتا علی ہجویریؒ کے حضور ان کا نذرانہ عقیدت سونے کے بنے ہوئے وسیع و عریض اس دروازے کی صورت میں نظر آتا ہے جو امام موسیٰ کاظم رضا کے مزار واقع مشہد کے ڈیزائن کا ہے لاہور میں داتا علی ہجویریؒ کا مزار اقدس ان ابدی عظمتوں کا امین ہے جن کا سورج ہمیشہ دمکتا رہتا ہے اور آج سے نہیں صدیوں سے حضرت داتا صاحبؒ کا مزار پورے ایشیا میں عظمت و بزرگی کا ایک ایسا مظہر ہے جو اسلام کی پرنور صداقتوں کی عظیم شہادت ہے۔

• •

تربتِ گنج بخش پر آکر
عبدیت کو فروغ ملتا ہے
اہلِ ایماں کو آپ کے در سے
لامکاں کا سراغ ملتا ہے
ایک فردوس کی حکایت کیا
جنتیں بے حساب دیکھی ہیں

فیضِ عالم کے آستانے پر
جنتیں بے حساب دیکھی ہیں
فیضِ عالم کی راہگزاروں پر
نقشِ پائے رسولؐ ملتے ہیں
تتلیاں رحمتوں کی رقصاں ہیں
جذب و مستی کے پھول کھلتے ہیں

(ساغر صدیقی)

حضرت داتا صاحبؒ کی تصانیف

کشف المحجوب میں حضرت داتا صاحبؒ نے مختلف صوفیانہ معاملات پر تحقیق و بحث اور اظہارِ خیال فرماتے ہوئے اپنی بعض دوسری کتابوں کا ضمناً حوالہ دیا ہے جس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ حضرت داتا صاحبؒ اپنے نظریات اور تحقیقی نتائج کے اظہار کے لیے قلم کا وسیلہ بھی استعمال کرتے تھے اور شعر بھی کہتے تھے جس سے یہ سمجھنا کوئی مشکل نہیں کہ آپ نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ تمام عمر جاری رکھا اور آپ نے بہت سی اور بھی کتابیں لکھی ہوں گی۔ لیکن ان میں سے آپ نے صرف نو کتابوں کا حوالہ دیا ہے۔ جن کے نام یہ ہیں ......

۱۔ دیوانِ شعر: (اس دیوان کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا ہے کہ یہ ان کی شعری تخلیقات میں سے ایک ہے جسے لوگوں نے چرا لیا)
۲۔ کتاب فنا و بقا: (اس کتاب میں فنا و بقا کے مسئلے پر آپ نے بنیادی صوفیانہ احکامات کو بیان فرمایا ہے)
۳۔ اسرار الخرق والمؤنات: (آپ کی یہ کتاب گدڑی اور درویشوں کے لباس کے قواعد و ضوابط پر مبنی ہے)
۴۔ الرعایۃ بحقوق اللہ تعالیٰ (آپ کی یہ تصنیف انسان اور خدا کے درمیان تعلقات کی نشاندہی کرتی ہے)
۵۔ کتاب البیان لاہل العیان: (اس کتاب میں آپ نے جمع تفرقہ کی تشریح فرمائی ہے)
۶۔ بحر القلوب:
۷۔ منہاج الدین: آپ نے اس میں طریقت و شریعت کے اصولوں کے علاوہ حلاج بن منصور کی زندگی اور اقوال کی شرح بیان کی ہے۔
۸۔ ایمان: اس میں آپ نے صوفی اساتذہ کے اعتقادات کو بیان فرمایا ہے۔
۹۔ فرق فرق: اس کتاب کے بارے میں آپ نے لکھا ہے کہ اس کتاب میں آپ نے اس گروہ کی نشاندہی کی ہے جو بغداد میں خدا ہونے کا دعویٰ کرتا تھا اور خود کو حلاج بن منصور کا پیرو کار ظاہر کر کے حلاج کے اقوال کو مبالغہ سے قبول کرتا تھا۔ اس کے علاوہ آپ نے اپنی اس تصنیف میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اقوال بھی جمع کیے ہیں۔

یہ تمام کتابیں محفوظ نہیں ہیں اور حضرت داتا صاحبؒ نے بڑے پُرملال لب و لہجہ میں ان کتابوں کے متعلق یہ انکشاف کیا ہے کہ بعض لوگ کتابوں کو پڑھنے کے لیے لے گئے اور انہیں اپنے نام سے چھپوا لیا۔ ایک اور مختصر سی کتاب "کشف الاسرار" کے متعلق یہ بات کہی جاتی ہے کہ کشف الاسرار بھی حضرت داتا صاحبؒ کی تصنیف ہے اور اس مطبوعہ کتاب پر حضرت داتا صاحبؒ کا اسم گرامی بھی چھپا ہوا

ہے۔ کشف الاسرار کے بارے میں محققین کی رائے یہ ہے کہ یہ کتاب کسی بدخصلت ناشر نے حضرت داتا صاحبؒ کے نام سے عالی فائدہ اٹھانے کے لیے شائع کی ہے اور بعد میں دوسرے لوگ غلط فہمی یا تجارتی فائدہ کی بنا پر اسے شائع کرتے رہے۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسری اس سلسلے میں دوٹوک بات کرتے ہیں اور انہوں نے اس سلسلے میں پُرزور الفاظ میں کہا ہے کہ یہ کتاب حضرت داتا صاحبؒ کی تصنیف نہیں ہے۔ کیونکہ اگر یہ کتاب حضرت داتا صاحبؒ کی لکھی ہوئی ہوتی تو کشف المحجوب میں اس کا ذکر ضرور فرماتے۔ جس طرح آپ نے اپنی دوسری کتابوں کی نشاندہی فرمائی ہے۔

اس کے علاوہ دونوں کتابوں کا جن لوگوں نے ناقدانہ انداز سے مطالعہ کیا ہے ان کی رائے یہ ہے کہ کشف المحجوب اور کشف الاسرار کے لب و لہجہ، زبان اور اسلوب میں نمایاں فرق ہے اور کشف الاسرار میں بعض سطحی باتیں درج ہیں جن کو حضرت داتا صاحب کی بنیادی صوفیانہ تعلیمات سے منسوب کرنا ان کے مطالعہ اعتقادات اور صوفیانہ نظریات کی نفی کے مترادف ہے اور جن بدعتوں کی حضرت داتا صاحبؒ نے کشف المحجوب میں مذمت فرمائی ہے انہیں کشف الاسرار میں اہمیت دی گئی ہے اور منطقی طور پر یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ حضرت داتا صاحبؒ ایک کتاب میں کسی اصول کو مسترد کریں اور دوسری میں اس کی تائید کریں۔ چنانچہ کشف الاسرار کو حضرت داتا صاحبؒ کی تصنیف قرار دینا انتہائی غیر مناسب ہے۔

کشف المحجوب

حضرت داتا صاحبؒ کی آخری عظیم تصنیف کشف المحجوب ہے جو علوم تصوف پر قدیم ترین کتابوں میں شمار ہوتی ہے اور فارسی زبان میں تصوف پر پہلی   حضرت داتا صاحبؒ نے یہ کتاب عمر کے آخری ایام میں مکمل کی۔ اس کے بعد کوئی دوسری کتاب نہیں لکھی۔ گذشتہ ایک ہزار سال سے کشف المحجوب کو ایک روحانی دستاویز کی حیثیت حاصل ہے۔ اہل علم و دانش نے اسے علوم تصوف کے پیچیدہ اور نہ سمجھ آنے والے مضامین و مسائل کے فہم کے لیے روشنی کا سرچشمہ قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ کشف المحجوب علم اخلاق کا بھی خزانہ ہے اور روزمرہ زندگی کو سنوارنے کے لیے بھی اس سے راہنمائی ملتی ہے اور حضرت نظام الدین اولیاء دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کشف المحجوب کے بارے میں یہ زریں رائے مکمل اور جامع ہے کہ۔

"جس کا کوئی مرشد نہ ہو، اس کا مرشد کشف المحجوب ہے۔" اور کشف المحجوب اس معاملے میں ایک سند کی حیثیت رکھتی ہے کہ حضرت داتا صاحبؒ ظاہری و باطنی علوم کی آخری وسعتوں تک چھائے ہوئے تھے۔ انسانیت کے جوہر سے پوری طرح آراستہ تھے۔ توحید الٰہی سے ان کی آشنائی اس خاص مقام پر تھی جہاں انسان اور اللہ تعالٰی کے درمیان حائل تمام پردے اٹھ جاتے ہیں اور کشف المحجوب شریعت و طریقت کے اسرار و رموز، اصول و ضوابط اور صوفیانہ نصاب پر ایک اعلیٰ تخلیق کے طور پر ہر دور میں عظیم قرار دی گئی ہے۔ حضرت داتا صاحبؒ کی یہ روحانی تخلیق دنیا بھر میں پڑھی جاتی ہے اور اس پر مسلسل تحقیق جاری ہے جب چھپائی کا کوئی بندوبست نہیں تھا سینکڑوں اہل دل نے اس کے قلمی نسخے لکھے اور اہل نظر تک پہنچائے۔ چند ایک قدیم قلمی ایڈیشنوں کا حوالہ بعض کتابوں میں ملتا ہے جو برصغیر پاک و ہند میں شاید کہیں محفوظ ہوں البتہ یورپ کی مختلف لائبریریوں اور عجائب گھروں میں محفوظ ہیں۔ اب تک کئی زبانوں میں کشف المحجوب کے ترجمے ہو چکے ہیں۔ کشف المحجوب کا قدیم ترین مطبوعہ ایڈیشن وہ ہے جس کا ذکر اسلامی علوم کے انگریز عالم اے۔ جے۔ آربری نے انڈیا آفس لائبریری کی چھپی ہوئی کتابوں کی فہرست میں کیا ہے۔ لیکن یہ قدیم ایڈیشن کہیں بھی موجود نہیں۔ کشف المحجوب کے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ ایڈیشنوں کی ایک فہرست ایل ایس ڈگن نے کشف المحجوب پر اپنے ایک مقالے میں دی ہے یہ مقالہ جنرل آف دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے ۱۹۲۵ء کے شمارہ میں شائع ہوا تھا۔ ڈگن کی فہرست کے مطابق کشف المحجوب کے قلمی نسخے دی آنا پیرس، بودلین، برٹش میوزیم، لینن گراڈ یونیورسٹی، انڈیا آفس لائبریری لندن، تاشقند پبلک لائبریری، رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، برلن اور لاہور کے کتب خانوں میں موجود ہیں اور ان میں نو سو سال پرانا قلمی نسخہ بھی شامل ہے۔ بعض ایسے بھی قدیم قلمی نسخے سمرقند اور انڈیا آفس لائبریری میں موجود ہیں جن پر کوئی تاریخ درج نہیں ہے۔

کشف المحجوب کے قدیم قلمی نسخوں کے سلسلے میں داتا کی نگری لاہور میں بھی بعض نادر نسخے موجود ہیں کشف المحجوب کا ایک قدیم ترین قلمی نسخہ مختلف مراحل سے ہوتا ہوا محکمہ اوقاف کی تحویل میں آگیا ہے۔ دو منقش قلمی نسخے یونیورسٹی لائبریری میں ہیں جن میں سے ایک پر ۱۲۶۵ ہجری کی تاریخ لکھی ہوئی ہے۔ اورنگ زیب عالمگیرؒ کے عہد کا ایک قلمی نسخہ بھی پبلک لائبریری لاہور میں ہے۔ کشف المحجوب کا ایک ضخیم قلمی نسخہ میاں محمد صدیق سابق سجادہ نشین درگاہ علی ہجویریؒ کے ذاتی کتب خانے میں محفوظ حالت میں ہے اور فارسی کا یہی وہ قدیم ترین نسخہ ہے جس کی نقل سب سے پہلے نول کشور لکھنوی نے درگاہ علی ہجویریؒ میں رکھوائی تھی۔

کشف المحجوب کا انگریزی ترجمہ برطانیہ کے مشہور محقق آر۔ اے نکلسن نے کیا اور پورے یورپ کے اہل علم و دانش اس ترجمے سے حضرت داتا صاحبؒ کی شخصیت اور تعلیمات کی عظمت سے آشنا ہوئے۔ اس ترجمے میں کشف المحجوب کی ۱۸۷۲ء کی اشاعت کے نسخے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس ترجمے کی جلدیں پاک و ہند کے بڑے بڑے کتب خانوں اور تعلیمی اداروں کی لائبریریوں میں موجود ہیں۔ یہ ترجمہ ۱۹۱۱ء میں سٹیفن آسٹن اینڈ سنز لمیٹڈ لندن نے شائع کیا تھا۔ تیسری بار کشف المحجوب سمرقند میں شائع ہوئی اسے سمرقندی نسخہ کہا جاتا ہے، اسے ملا سید عبدالمجید مفتی نے ۱۳۳۰ھ میں شائع کیا۔ اس نسخے کی صحت پر کسی کو بھی شبہ نہیں۔ یہ نسخہ بھی عام دستیاب نہیں ہے۔۔ البتہ پنجاب پبلک لائبریری لاہور میں موجود کشف المحجوب کا سمرقندی نسخہ مغربی دانشور ایل ایس ڈگن کو افغانستان میں ملا تھا۔ کشف المحجوب کا مستند ترین نسخہ روس میں شائع ہوا۔ جسے روس کے اسلامی علوم کے استاد پروفیسر ژوکوسکی نے سالہا سال کی محنت اور تحقیق کے بعد ترتیب دیا۔ پروفیسر ژوکوفسکی نے کشف المحجوب کے ساتھ سات ضمیمے بھی دیئے ہیں اور دو صفحات پر مشتمل روسی حکومت کے ایک پیش لفظ اور روسی و فارسی میں چھپے ہوئے سرورق

کے ساتھ یہ بلند پایہ کتاب لینن گراڈ سے شائع ہوئی ہے۔ پروفیسر ژوکوفسکی نے اپنی تحقیق کی بنیاد پر مفصل دیباچہ لکھا ہے اور حضرت داتا صاحبؒ کے اسلوب بیان اور پیرایہ اظہار پر اظہار خیال کرتے ہوئے اپنے مرتب کردہ متن کی صحت اور تصدیق کے لیے دلائل و حوالے بھی دیئے ہیں۔ لینن گراڈ سے شائع ہونے والے روسی نسخے کی بنیاد دی آنا (آسٹریلیا) کی قومی لائبریری میں موجود ایک قدیم نسخے پر ہے۔ پروفیسر ژوکوفسکی نے اپنی تحقیق کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انہوں نے لینن گراڈ کی یونیورسٹی میں موجود کشف المحجوب کے ایک ایسے نسخے کا بھی مطالعہ کیا ہے جو گیارہویں صدی کے شروع میں لکھا گیا اور اس کے علاوہ روسی پروفیسر نے تاشقند کی لائبریری میں گیارہویں صدی میں شائع ہونے والے ایک اور نسخے سے بھی استفادہ کیا — اور اسی نسخے کی بنیاد پر ایران کے محمد عباسی نے تہران سے کشف المحجوب کا ایک انتہائی خوبصورت ایڈیشن شائع کیا۔ ایرانی ایڈیشن میں حواشی پر مختلف حوالے دیئے گئے ہیں اور کشف المحجوب کے متن کے موضوعات کی الگ فہرستیں بھی شامل کی گئی ہیں۔

اردو میں کشف المحجوب کے ان گنت ترجمے شائع ہو چکے ہیں جن میں سے بعض ترجمے نایاب ہیں اور اردو میں ترجمہ کرنے والے فاضل مترجموں نے حضرت داتا صاحبؒ کی تحریر کے اصل جوہر اور اس کے مطالب کو واضح کرنے کے لیے بڑی محنت سے کام لیا ہے۔ ان تراجم میں بیشتر ترجمے تجارتی مقاصد کے لیے کرائے گئے اور ان کے ترجمہ کرنے والے اگرچہ فارسی زبان کے ماہر تھے لیکن صوفیانہ علوم کی باریکیوں اور تجربوں سے ناآشنا ہونے کی وجہ سے بعض صوفیانہ رموز تک نہیں پہنچ سکے جس کے نتیجے میں کشف المحجوب کے اکثر جملوں کا مفہوم اردو پڑھنے والوں تک نہیں پہنچا۔ تاہم کشف المحجوب کے وہ اردو ترجمے انتہائی اعلیٰ ہیں جن کے ترجمہ کرنے والوں کا تصوف سے تعلق رہا اور انہوں نے کشف المحجوب کو اپنے صوفی اساتذہ کی راہنمائی میں پڑھا، اردو ترجموں میں سے بیشتر تراجم کی زبان پرانی ہے اور صوفیانہ اصطلاحات کو برمحل اور مناسب اردو الفاظ میں نہیں پیش کیا گیا اور جہاں کوئی بات ترجمہ کرنے والے کے فہم میں نہیں آئی وہاں جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہے۔ بیسویں صدی کے آخر میں دو نئے ترجمے سامنے آتے ہیں۔ ایک ترجمہ مولانا نشتر جالندھری مرحوم نے کیا ہے وہ فارسی، عربی اور اردو زبان کے استاد تھے اور ان کا ترجمہ بامحاورہ اور سلیس بھی ہے۔ ایک ترجمہ جماعت اسلامی کے امیر میاں طفیل محمد نے کیا ہے: میاں طفیل محمد اپنے دینی اعتقادات اور سیاسی نظریات کی وجہ سے تصوف کے کوچہ و بازار سے ذہنی طور پر دور ہیں اور انہوں نے اپنے ترجمے میں ایک زیادتی یہ کی ہے کہ جس مسئلے پر انہیں صوفیانہ طرز فکر سے اختلاف ہے وہ حصے انہوں نے ترجمے سے حذف کر دیئے ہیں اور اگر حذف نہیں کیا تو اپنے تئیں اصلاح کر دی ہے جس کا انہوں نے دیباچے میں اعتراف کیا ہے۔ سب سے اچھا ترجمہ مفتی حکیم غلام معین الدین نعیمی کا ہے جسے صوفی مکتبہ فکر کے نوشاہی قادری سلسلے کے صاحبزادہ رؤف احمد نے شائع کیا ہے۔ مولوی فیروزدین مرحوم کا کیا ہوا کشف المحجوب کا ایک ترجمہ بھی مستند تسلیم کیا جاتا ہے اس ترجمے کا نام بیان المطلوب ہے۔ حال ہی میں کشف المحجوب کا نیا ترجمہ منظر عام پر آیا ہے۔ اس کے مترجم گوہر جالندھری ہیں۔ گوہر صاحب بنیادی طور پر شاعر ہیں اور حضرت داتا صاحبؒ

کے عقیدت مندوں میں سے ہیں۔ ان کا یہ ترجمہ ان کے ذوق و شوق اور جذبۂ عقیدت کا نتیجہ ہے اور ترجمے سے خلوص جھلکتا ہے۔ ایک ترجمہ شیخ چراغ دین کشمیری بازار لاہور نے ۱۹۰۹ء میں شائع کیا تھا جو اب نایاب ہے اس کے مترجم ظہیر احمد بدایونی ہیں اور میں نے بزرگوں سے اس ترجمے کی تعریف سنی ہے۔

کشف المحجوب میں حضرت داتا صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ آپ نے یہ عظیم روحانی کتاب حقیقتِ عرفان کے بارے میں اپنے ایک طالب ابوسعید ہجویری کے سوالات کے جواب میں لکھی ہے اور اس کے نام کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے اس کتاب کا نام کشف المحجوب (یعنی پردوں کا اٹھانا) اس لیے رکھا ہے کہ کتاب کے نام سے ہی اہل فکر و فہم جان لیں کہ اس سے کیا مراد ہے۔ ابوسعید ہجویری نے جوان کے ساتھ برسوں سفر میں رہے اور ان کی قیادت میں ہی لاہور آئے۔ حضرت داتا صاحبؒ سے مندرجہ ذیل امور کے بارے میں استفسار کیا تھا۔

۱۔ آئین تصوف۔
۲۔ روحانی مراحل کے دوران مقامات کی کیفیت اور نشاندہی۔
۳۔ صوفیہ کے نظریات و افکار۔
۴۔ صوفیانہ تجربوں کے رموز اور اشارے۔
۵۔ خدا سے محبت کا جواز اور طریقہ۔
۶۔ دلوں پر ربانی انوار کا ظہور۔
۷۔ خدا سے محبت کے ادراک میں عقل کی عاجزی۔
۸۔ حقیقت الوہی سے آشنائی کے لیے نفس کی بغاوت اور انکار۔
۹۔ توحید الٰہی سے صوفیہ کا اتحاد۔
۱۰۔ صوفیہ کی روحوں کے قرار و سکون کی نوعیت۔

حضرت داتا صاحبؒ نے شیخ ابوسعید ہجویری کے ان استفسارات کے جواب میں کتاب لکھنے سے قبل استخارہ کیا اور جب استخارہ میں اجازت ربانی حاصل ہوئی تو آپ نے حمد و نعت سے کتاب کا آغاز کیا اور شیخ ابوسعید ہجویری کے استفسارات کے جواب میں کشف المحجوب تصنیف فرمائی جو مندرجہ ذیل موضوعات پر مبنی ہے۔

۱۔ اثبات علم۔
۲۔ فقر و غنا۔
۳۔ تصوف۔
۴۔ گدڑی۔
۵۔ فقر و تصوف میں مشائخ کا اختلاف۔
۶۔ ملامت۔
۷۔ ائمہ صحابہ کرام۔
۸۔ ائمہ اہل بیت۔
۹۔ اصحاب صفہ۔
۱۰۔ ائمہ طریقت تبع تابعین۔
۱۱۔ ائمہ متاخرین۔
۱۲۔ اہل طریقت کے مختلف مکاتب فکر۔
۱۳۔ صوفیانہ عقائد، افکار اور نظریات۔

۱۴۔ حقیقت نفس۔
۱۵۔ ولایت کے اسرار اللہ موز۔
۱۶۔ صبر و رضا۔
۱۷۔ مدہوشی و ہوش۔
۱۸۔ توحید۔
۱۹۔ فنا و بقا۔
۲۰۔ معرفت الٰہی۔
۲۱۔ آداب صحبت۔
۲۲۔ جود و سخا۔
۲۳۔ نماز۔
۲۴۔ روزہ۔
۲۵۔ زکوٰۃ۔
۲۶۔ حج۔
۲۷۔ ازدواجی مسائل۔
۲۸۔ حقیقت سماع۔
۲۹۔ بھوک۔
۳۰۔ صوفیانہ اصطلاحیں۔

ان کے علاوہ بعض دوسرے مسائل اور امور پر بھی اس کشف المحجوب میں حضرت داتا صاحبؒ نے علم و عرفان سے مزین تشریحات بیان فرمائی ہیں۔ اور تحقیق و اجتہاد کی روشنی میں ذاتی تجربات و مشاہدات کو اس انداز سے قلمبند کیا ہے کہ نازک سے نازک اور ناقابل فہم مسائل بھی فہم میں آجاتے ہیں۔

محققین نے ان کتابوں کی بھی فہرست مرتب کی ہے جو کشف المحجوب کے بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں ان کے نام یہ ہیں۔ (۱) تاریخ اہل صفہ (ابو عبدالرحمٰن سلمی (۲) طبقات الصوفیہ (۳) کتاب قشیری (استاد ابوالقاسم قشیری) (۴) کتاب محبت (عمرو بن عثمان المکی) (۵) کتاب اللمع (ابونصر سراج) (۶) تاریخ المشائخ (محمد بن علی الترمذی) (۷) کتاب مقدسی (۸) حکایات عراقیاں (۹) حکایات (۱۰) تصانیف بیجا بگانہ (حسین بن منصور حلاج) (۱۱) رسائل ابوالعباس سیاری) (۱۲) آثار حکیم ترمذی (۱۳) کتاب سماع (۱۴) روایات (ابوالفضل محمد بن حسن ختلی (۱۵) غلط الواجدین (ابو محمد رویمی) (۱۶) تصحیح الارادت (جنید بغدادی) (۱۷) الرعایہ بحقوق اللہ (۱۸) کتاب اندر مرقعہ تالیف ابو معمار اصفہانی (۱۹) کتاب رعایت (ابو عبداللہ الحارث بن محاسبی (۲۰) مراۃ الحکماء (شاہ شجاع کرمانی)۔

تلخیص ابواب کشف المحجوب

اثبات علم

علم کی دو قسمیں ہیں ایک اللہ تعالےٰ کا علم اور دوسرا مخلوق کا علم انسان کا علم اللہ تعالےٰ کے علم کے مقابلے میں کوئی حقیقت نہیں رکھتا کیونکہ اللہ تعالےٰ کا علم اس کی صفت ہے جو اسی کے ساتھ قائم ہے اور اللہ تعالےٰ کی صفات بے حد و حساب ہیں۔ ہمارا علم یعنی مخلوق کا علم ہماری صفت ہے جو ہمارے ساتھ قائم ہے اور ہماری صفات محدود اور متناہی ہیں اللہ تعالےٰ کا فرمان ہے۔ "تمہیں جو علم کا حصہ دیا گیا ہے وہ تھوڑا ہی ہے۔" اور علم ایک ایسی صفت ہے جس کے ذریعے جاہل علم والا بن تا ہے۔

اللہ تعالےٰ کا علم ایک ہی ہے کہ وہی ہر موجود و غیر موجود کو جانتا ہے اس میں کسی مخلوق کی شرکت ممکن نہیں۔ نہ ہی وہ اجزا میں تقسیم ہو سکتا ہے اور نہ اس سے الگ ہو سکتا ہے۔ اس کے علم کی دلیل اس کے فعل کا ظہور اور مرتب ہونا ہے اس لیے اللہ تعالےٰ کا علم اسرار کے ساتھ لاحق ہے اور اظہار کے ساتھ محیط۔ طالب کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس اعتقاد کے ساتھ عمل پیرا ہو کہ وہ اللہ تعالےٰ کے علم میں ہے اور اللہ تعالےٰ اس کے افعال کو مسلسل ملاحظہ فرما رہا ہے۔ اللہ تعالےٰ کے علم کی شرط یہ ہے کہ ہر عقل رکھنے والا اس عقیدہ پر قائم ہو کہ اللہ تعالےٰ اپنی ذات میں قدیم بے حد و حدود ہے اس کا کوئی مکان اور جہت نہیں اور کوئی مخلوق اس کی مانند نہیں نہ اس کے بیوی بچے ہیں اور جو صورت بھی تمہارے تصور میں آئے یا عقل اس کا اندازہ کرلے نہ اسی کی تخلیق سے ہے وہی اسے باقی رکھنے والا اور پروان چڑھانے والا ہے۔ ارشاد ہے "کوئی شے اس جیسی نہیں ہے وہی سننے اور دیکھنے والا ہے۔" جہاں تک اللہ تعالیٰ کی صفات کا تعلق ہے اس کی صفات اس کے ساتھ موجود ہیں، یعنی وہ صفات اس کی ذات نہیں ہیں نہ اس کے سوا موجود قائم ہیں اور وہ اس کے ساتھ ہمیشہ سے ہیں۔ جیسے علم قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام اور بقا وغیرہ۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے "بے شک وہی تمہارے سینوں کے بھیدوں کو جاننے والا ہے" اور اللہ ہر شے پر قادر ہے۔ وہی سننے والا اور دیکھنے والا ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ وہی زندہ و باقی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کلام سچا ہے اور اسی کی ملکیت ہے۔"

جہاں تک انسان کے علم کا تعلق ہے تو انسان کے لیے لازم ہے کہ وہ حکم الٰہی اور معرفت ربانی میں مشغول رہے۔ انسان کا علم وقت کے ساتھ فرض کیا گیا ہے۔ مطلب یہ کہ جس وقت جس علم کی ضرورت ہو خواہ وہ باطن میں ہو یا ظاہر اس کا حاصل کرنا فرض کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں علم کی دو اقسام ہیں۔ ایک قسم کا نام علم اصول ہے اور دوسری قسم کا نام علم فروع ہے۔ ظاہر علم اصول میں کلمۂ شہادت اور باطنی علم اصول میں معرفت حق کی جستجو کرنا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کا قیام ایک دوسرے کے بغیر ناممکن ہے کیونکہ ظاہری حال بغیر باطنی حقیقت کے منافقت ہے اور اسی طرح باطن بغیر ظاہری حال کی درستگی کے کفر ہے۔ ظاہر شریعت بغیر باطن کے ناقص ہے اور باطن بغیر ظاہر کے ہوس کے سوا کچھ نہیں۔ لہٰذا علم حقیقت اور علم شریعت کے بھی تین رکن ہیں۔ علم حقیقت کے تین رکن یہ ہیں۔ پہلا یہ کہ اللہ تعالےٰ اس کی وحدانیت اور اس کے غیر سے مشابہت کی نفی۔ دوسرا صفات باری تعالیٰ اور اس کے احکام سے آگاہی اور تیسرا اللہ تعالیٰ کے افعال یعنی تقدیر الٰہی اور اس کی حکمت شناسی علم شریعت کے تین رکن قرآن کریم، سنت اور اجماع اُمت ہیں۔ علم شریعت کے پہلے رکن یعنی قرآن کریم کے متعلق اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔ "اس کتاب میں محکم آیتیں ہیں۔" دوسرے رکن یعنی سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اللہ تعالےٰ کا یہ اعلان برحق اور واضح ہے کہ "جو کچھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں دیں لے لو اور جس بات سے روکیں رک جاؤ۔" تیسرا رکن اجماع اُمت ہے اور جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "میری اُمت گمراہی

پر کبھی اکٹھی نہیں ہو سکتی، تم پر اہل حق کی سب سے بڑی جماعت کی پیروی لازم ہے . . . ."

ملحدوں کے گروہ سوفسطائیہ کا مذہب یہ ہے کہ کسی چیز کا صحیح علم حاصل نہیں ہو سکتا علم بجائے خود کوئی شے نہیں۔ ان میں بھی دو گروہ ہیں ایک سرے سے ہی علم کا انکار کرتا ہے اور دوسرا علم کا تو قائل ہے لیکن اس کے نظریئے کے مطابق کسی بھی چیز کے بارے میں علم درست نہیں ہوتا۔ یہ دونوں گروہ گمراہی کا شکار ہیں کیونکہ علم کی نفی جہالت ہے اور دوسرے علم کے ذریعہ علم کی نفی ایک ناممکن بات ہے۔

محمد بن فضل بلخی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علم کی تین قسمیں ہیں۔ پہلا علم جو اللہ تعالٰے کی طرف سے ہو۔ دوسرا جو اللہ تعالٰے کی معیت میں ہو اور تیسرا جو خود اللہ تعالٰے کی ذات و صفات کے متعلق ہو۔

ابو علی ثقفیؒ فرماتے ہیں "جہالت کی موت سے دل کا زندہ ہونا اور کفر کی تاریکی میں ایمان روشن ہونا علم ہے"۔ ابو علی وراق ترمذیؒ فرماتے ہیں "جس شخص نے علم کلام پر اکتفا کیا اور زہد اختیار نہ کیا وہ بے دین ہے اور جس نے بغیر پرہیزگاری کے علم فقر پر قناعت کی فاسق ہے"۔ حضرت ابو یزید بسطامیؒ کا ارشاد ہے کہ میں نے تیس سال مجاہدہ میں بسر کیے لیکن میں نے علم اور اس کے مطابق عمل کرنے سے زیادہ کسی چیز کو اپنے لیے مشکل نہیں پایا۔

فقر و درویشی

کشف المحجوب کا دوسرا باب فقر کے موضوع پر ہے جس کا آغاز حضرت داتا صاحبؒ نے اس جملے سے کیا ہے کہ راہ حق میں درویشی کو بہت بڑا مرتبہ حاصل ہے اور کلام پاک کی اس آیت کو بطور سند پیش کیا ہے کہ "صدقات ان فقیروں کے لیے ہیں جو اللہ تعالٰی کی راہ میں روکے گئے اور زمین پر چلنے پھرنے کی استطاعت نہیں رکھتے اور جاہل ان کو سوال نہ کرنے سے غنی سمجھتا ہے"۔ احادیث میں بھی سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فقر پر پسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا ہے کہ "اے خدا مجھے مسکینی میں زندہ رکھ، مسکینی میں وفات دے اور قیامت کے روز مجھے مسکینوں کے گروہ سے اٹھا"۔ حضرت داتا صاحبؒ لکھتے ہیں کہ فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو اور کسی چیز کے ہونے یا نہ ہونے سے اس پر کوئی اثر نہ ہو، نہ وہ دنیا کے مال و اسباب کے ہونے سے غنی ہو اور نہ ہی ان کے نہ ہونے سے محتاج ہو، دنیا کے مال و اسباب کا ہونا یا نہ ہونا اس کے لیے برابر ہو، فقیر کی عزت اسی میں ہے کہ وہ اپنے اعضا کو ذلیل حرکتوں اور افعال سے بچائے اپنے حال کو اضطراب اور خلل سے محفوظ رکھے۔ نہ اس کا جسم گناہ اور لغزش کا شکار ہو نہ ہی اس کی زندگی میں کوئی خلل اور مصیبت ہو، اس کی ظاہری حالت شرعی قوانین و ضوابط کی پابند ہو اور اس کا باطن باطنی نعمتوں سے آراستہ ہو، اس کا دنیا سے کوئی تعلق نہ ہو اور لوگوں سے اس کی کوئی نسبت نہ ہو نہ ہی اس جہان کی ملکیت اور آخرت میں درجات و کامیابی کی خواہش کرے اور یہ یقین کرے کہ اس کے فقر کی ترازو کے پلڑے میں دونوں جہاں مچھر کے پَر کے برابر بھی وزن نہیں رکھتے۔ ایک حکایت ہے کہ ایک فقیر کی کسی بادشاہ سے ملاقات ہو گئی۔ بادشاہ نے کہا۔ مجھ سے کچھ طلب کرو، فقیر نے جواب دیا میں اپنے غلاموں کے غلام سے کچھ نہیں مانگتا۔ بادشاہ نے پوچھا یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ میں تمہارے غلاموں کا غلام ہوں۔ فقیر نے کہا۔ میرے دو غلام ہیں۔ ایک حرص اور دوسرا امید و تمنا۔ اور یہ دونوں تیرے آقا ہیں۔

فقر کے بارے میں صوفی اساتذہ کے اقوال:۔

فقر کی علامت یہ ہے کہ انسان کمال ولایت اور قیام مشاہدہ کی صفت کے جاتے رہنے اور حق سے دور ہو جانے سے بھی خوفزدہ رہے۔۔ یحییٰ بن معاذ رازی رحمتہ اللہ علیہ:

فقیری میں صبر کرنا اور اس پر عقیدہ رکھنا روحانیت کے مقامات میں سب سے افضل ہے: بشر حافیؒ۔

فقیر وہ ہے جسے اللہ کے سوا کسی چیز سے آرام نہیں ملتا: شبلیؒ۔

فقیر کی تعریف یہ ہے کہ نہ ہونے کے وقت خاموش رہے اور جب ہو تو خرچ کرے۔ ابوالحسن نوریؒ۔

تصوف

تصوف کے باب کے تین حصے ہیں۔ ایک میں تصوف دوسرے میں صوفی اور تیسرے میں تصوف کے معنی اور معاملات بیان کیے گئے ہیں۔ تصوف کی حقیقت اور ماہیت کے بارے میں حضرت داتا صاحبؒ نے، کلام الٰہی سے آغاز کیا ہے کہ اللہ تعالٰے کے بندے وہ ہیں جو زمین پر تواضع اور عاجزی سے چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے مخاطب ہوتے ہیں تو وہ سلام کہتے ہیں۔ حدیث پاک میں ارشاد ہے۔ "جو کوئی اہل تصوف کی آواز سنے اور ان کی دعا پر ایمان نہ لائے وہ اللہ تعالٰے کے ہاں غافلوں میں شمار ہوتا ہے"۔ حضرت داتا صاحبؒ نے تصوف کے سلسلے میں مشائخ کے اختلافی اقوال بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ صوفی وہ ہے جس کا دل صفا سے پُر ہو اور صفا دوستوں کی صفت ہے یہ دوست وہ ہیں جو اپنی صفت فنا کر کے اللہ تعالٰے کی صفت کے ساتھ باقی ہو گئے ہیں۔ اور جس جگہ محبت اور توحید الٰہی اس طرح باہم مل جائیں کہ ایک کی نسبت دوسری کی طرف ہونے لگے تو دل معرفت و توحید اور محبت کے نور سے عرش الٰہی کو دیکھ لیتا ہے اور دنیا میں عقبیٰ کے حالات سے آشنا ہوتا ہے۔

تصوف کی تعریف متعین کرتے ہوئے حضرت داتا صاحبؒ نے صوفی اساتذہ کے بعض اقوال کا حوالہ دیا ہے۔

"تصوف ایک ایسی صفت ہے جس میں انسان قائم ہوتا ہے اور در حقیقت یہ صفت خدا کی ہے اور ظاہری طور پر یہ انسان کی صفت ہے": جنید بغدادیؒ۔

"تصوف تمام نفسانی لذتوں سے دستبردار ہونے کا نام ہے" ابوالحسن نوریؒ

"تصوف ایک ایسی حقیقت ہے جس کا کوئی ظاہر نہیں"۔ ابن جلاءؒ

"تصوف سے مراد موجودات سے آنکھ بند کر لینا ہے"۔ ابو عمرو دمشقیؒ

"تصوف مخالفت کی کدورت سے دل کو صاف کرنے کا نام ہے" حضرت حصریؒ۔

حضرت جنیدؒ مزید فرماتے ہیں کہ تصوف سخاوت، رضا، صبر، ایثار، غربت صوف پہننا اور سیر و فقر کی خصلتوں سے متشکل ہوتا ہے۔ حضرت مرتعشؒ فرماتے ہیں کہ تصوف نیک اخلاق کا نام ہے۔

گدڑی

حضرت داتا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ گدڑی پہننا صوفیائے کرام کا شعار ہے اور اس کا پہننا سنت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اس لباس کو پہننے سے تمہارے دلوں کو ایمان کی حلاوت نصیب ہو گی حضرت داتا صاحبؒ نے گدڑی پہننے کے باب کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔۔

چلے میں گدڑی پہننے کے آداب بیان فرمائے ہیں اور لکھا ہے کہ کچھ لوگ گدڑی پہن کر عزت و جمال کا پیکر بن جاتے اور لوگوں میں گھومتے پھرتے ہیں اور اگر ان کے دل ان کے ظاہر کے مطابق نہیں تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ لشکر میں بہادر اور شجاع کوئی کوئی ہوتا ہے اور ہجوم میں محقق کم ہوتے ہیں لیکن سب کی نسبت ان کی طرف کر دی جاتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ ایسی گدڑی پہنتے تھے جس میں تیس پیوند لگے ہوئے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔ بہترین لباس وہ ہے جو بہت ہی کم خرچ ہو۔ حضرت حسن بصری ؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ستر اصحاب بدر کو دیکھا ہے ان سب کا لباس پشمینی تھا۔ صوفی کا حال چار باتوں سے باہر نہیں ہوتا:

۱۔ باطن کی صفائی، دل کی روشنی، طبیعت کی پاکیزگی اور مزاج کا اعتدال صوفی کے باطن کے اسرار کے ساتھ دکھائی دیتا ہے۔

۲۔ جسم کی درستی، دل کی صفائی اور سینہ کی صفائی صوفیائے کرام کے ظاہر حال کے ساتھ نظر آتی ہے۔

۳۔ مروت انسانی، عمدہ ہم نشینی اور حسن اخلاق صوفیہ کی سیرت و کردار سے نمایاں ہوتا ہے۔

۴۔ دنیا کی سرداری کی طلب، صدر نشینی کا قصد، ممتاز اور خواص بننے کی خواہش صوفیہ کے احوال کی طرف متوجہ کرتی ہے۔

حضرت داتا صاحب ؒ فرماتے ہیں کہ میں نے متاخرین ارباب معانی میں سے ایک بزرگ کے بارے میں سنا کہ ان کی گدڑی اور مصلے میں بے ترتیب پیوند لگے ہوتے تھے اور اس میں بچھوؤں نے بچے دیئے تھے اور میرے مرشد حقیقی نے اکیاون سال تک ایک ہی گدڑی پہنی اور اس میں بے تکلف پیوند لگاتے تھے۔ حضرت شیخ محمد بن خفیف ؒ نے بیس سال تک نہایت سخت ٹاٹ پہنا وہ ہر سال چار چلے کرتے اور ہر چالیس روز میں علوم معارف پر ایک کتاب تصنیف فرماتے ایک گروہ ایسا بھی ہے جس نے لباس کے ہونے اور نہ ہونے میں کبھی تکلف نہیں کیا اگر اللہ تعالےٰ نے انہیں گدڑی دی تو گدڑی پہن لی۔ قبا دی تو وہ بھی پہن لی اور اگر برہنہ رکھا تو برہنہ رہے۔

سیاہ لباس اہل ماتم اور مصیبت زدوں کا لباس ہے۔ دنیا چونکہ محنت کا گھر ہے، غم واندوہ کی خندق، غم خانہ فراق اور بلا کا جھولا ہے۔ اہل حق نے جب یہ دیکھا کہ اس دنیا میں ان کا مقصد پورا نہیں ہوتا تو وہ سیاہ لباس پہننے لگے کسی طالب علم نے ایک سیاہ پوش درویش سے پوچھا کہ اس نے سیاہ پوشی کیوں اختیار کی ہے تو درویش نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزیں چھوڑی ہیں ایک فقر دوسرا علم اور تیسری تلوار۔ تلوار تو بادشاہوں نے پکڑ لی اور اس کو بے محل استعمال کیا اور علم علماً نے اختیار کیا مگر اسے صرف سیکھنے اور پڑھنے تک محدود رکھا۔ فقر کو فقرا کے گروہ نے اختیار کیا مگر اسے دولت و مال کے حصول کا ذریعہ بنا لیا۔ میں نے ان تینوں کی مصیبتوں پر سیاہ پوشی اختیار کی ہے۔ حضرت داتا صاحب ؒ گدڑی پہننے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ گدڑی کا گریبان صبر کا ہو، دونوں آستینیں خوف و امید کی ہوں دونوں دامن تنگی و کشادگی کے ہوں، کمر نفس کے خلاف کرنے میں ہو اور دونوں چاک صحت یقین اور اخلاص کی فراخی سے مرکب ہوں۔ اس سے دنیا دی عمدہ اشارہ یہ ہے کہ گدڑی کا گریبان محبت کی قبا سے، دونوں آستینیں حفاظت عصمت سے دونوں دامن فقر و صفا سے کمر مشاہدہ میں قائم رہنے سے چاک بارگاہ الٰہی میں حاضر رہنے سے اور کشادگی مقام وصل میں قرار پانے سے مرکب ہو۔

فقر و صفوت کی فضیلت میں اختلاف

یہ باب ایک ہی حصہ پر مبنی ہے جس میں حضرت داتا صاحب ؒ نے فقر و صفوت کی بحث سمیٹتے ہوتے لکھا ہے کہ فقر و صفوت کے درمیان صرف معنوں کا فرق ہے لیکن معاملہ کی رو سے صفوت و فقر کا مطلب دنیا سے کنارہ کش ہونا ہے اور یہ کنارہ کشی بجائے خود ایک دوسری چیز ہے جس کی حقیقت فقر و مسکینی کے ساتھ رہتا ہے۔ صوفی اساتذہ کی ایک جماعت مسکینی کو اس بنیاد پر فقیری سے افضل قرار دیتی ہے کہ اللہ تعالےٰ کا فرمان ہے کہ یہ ان فقیروں کے لیے ہے جو اللہ کی راہ میں رو کے گئے جو زمین پر پھرنے کی طاقت نہیں رکھتے لیکن یہ افضیلت اس لیے ہے کہ مسکین صاحب مال ہوتے ہیں اور فقیر تارک مال۔ لہذا فقیر پسندیدہ ہے اور مال دولت سے کنارہ کش ہونے والا اس لیے پسندیدہ اور محبوب ہے کہ مالدار کو مال پر بھروسہ ہوتا ہے اور غیر مالدار خدا پر بھروسہ کرتا ہے۔

ملامت

طریقت کے راہنماؤں کی ایک جماعت نے ملامت کا طریقہ پسند فرمایا ہے۔ کیونکہ ملامت میں خلوص و محبت کی بڑی تاثیر اور مکمل لذت ہے اور اہل حق ہمیشہ مخلوق کی ملامت کا نشانہ بنے رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو اہل حق کے مقتدا اور امام ہیں اور وحی سے سرفراز ہونے سے قبل سب میں نیک نام اور صاحب عظمت تھے اور جب آپ کو محبت الٰہی کی خلعت سے نوازا گیا تو خلق نے ان کے حق میں ملامت کی زبان دراز کر دی۔ کسی نے کہا کاہن ہیں، کسی نے کہا شاعر ہیں۔ کسی نے کہا مجنوں ہیں اور کسی نے کہا کاذب ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ کا مومنوں کی تعریف میں ارشاد ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو ملامت کرنے والوں کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ اللہ تعالیٰ کا دستور ہی ایسا ہے کہ جو کوئی اس کی بات کرتا ہے اسے سارے جہان کی ملامت کراتا ہے۔ کیونکہ اس بندے کے اسرار اس کی ملامت میں مشغول ہونے کی وجہ سے پوشیدہ رہتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی غیرت ہے کہ وہ اپنے دوستوں کو دوسروں کی نگاہ سے محفوظ رکھتا ہے تاکہ ہر کسی کی آنکھ اس کے محبوب کے جمال حال پر نہ پڑے اور بندے کو خود اپنے آپ کو دیکھنے سے بھی محفوظ رکھتا ہے تاکہ وہ خود اپنے جمال کو بھی نہ دیکھ سکے۔ اس طرح وہ غرور و تکبر کی مصیبت سے بچا رہتا ہے۔ اس لیے خلق خدا کو ان پر ملامت کرنے کے لیے مقرر فرمایا اور نفس لوامہ یعنی ملامت کرنیوالی خصلت کو ان کے اندر پیدا کیا تاکہ جو کچھ بھی وہ کریں ان پر ملامت ہوتی رہے۔ اگر بدی کریں تو بدی ہی باعث ملامت ہو اگر نیکی کریں تو نیکی میں کوتاہی باعث ملامت بنے۔ خدا کی راہ میں یہی حقیقی اصول ہے جس میں کوئی آفت اور حجاب نہیں لیکن طریقت میں یہ ایک مشکل مرحلہ ہے تاکہ بندہ اپنے آپ سے ہی غرور و تکبر میں نہ مبتلا ہو جائے۔ غرور و تکبر درحقیقت دو چیزوں سے پیدا ہوتا ہے۔ پہلی چیز خلق کی طرف سے عزت افزائی اور مدح سرائی ہے دوسری یہ ہے کہ اپنے افعال ہی بندہ کو پسند آ جائیں اور وہ غرور کرنے لگے لہذا وہ انسان جو پسندیدۂ حق ہو گا مخلوق کو ناپسند ہو گا اور جو انسان اپنے جسم کو

تکلیف دے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے کبھی تکلیف نہیں دے گا۔

ملامت کی تین قسمیں ہیں۔ سیدھا چلنا، خلاف ورزی کا ارادہ اور ترک یا سیدھا چلنے میں ملامت کی نوعیت یہ ہے کہ ایک شخص دین حق کی حفاظت کرتا ہو اور معاملات میں رعایت سے کام لیتا ہو تو لوگ پھر بھی اس کی ملامت کریں۔ خلاف ورزی کے ارادہ میں ملامت کی صورت یہ ہے کہ وہ لوگوں میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہو اور اس کا دل عزت کا بھی خواہاں ہو اگر وہ چاہے کہ ان سے جدا ہو کر مشغول حق ہو اور قصداً ایسی راہ اختیار کرے جس سے مخلوق اس پر ملامت کرے۔ لیکن اس عمل سے احکام شریعت کی نفی نہ ہو۔ ترک میں ملامت کا معاملہ یہ ہے کہ وہ دل سے کفر و الحاد سے نفرت کرتا ہو تاکہ شریعت کی حدود سے باہر نہ نکلے۔ مگر بظاہر شریعت کی پیروی نہ کرے اور کہے کہ میں ملامتی طریقہ کا پابند ہوں۔ یہ طریق ملامت اس کی عادت ہو لیکن دین پر استقامت سے قائم ہو اور مخلوق کی ملامت سے بے نیاز ہو کر ہر حال میں اپنے کام سے کام رکھے۔

طریقت میں طریق ملامت کے بانی شیخ ابو حمدان رحؒ ہیں۔ ان کا قول ہے کہ سلامتی سے کنارہ کش ہونے کا نام ملامت ہے۔

ائمہ صحابہ رضؓ اس باب میں حضرت داتا صاحبؒ نے ائمہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات بیان فرمائے ہیں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد طریقت میں اہل تصوف کے پیش رو ہیں۔ سب سے پہلے چاروں خلفاء کا ذکر ہے جو اہل تصوف کے سردار اور پیشوا تسلیم کیے جاتے ہیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی کرامتیں اور عظمتیں مسلّم ہیں آپ ارباب مشاہدہ میں مقدم ہیں، صاحبان خلوت کے شہنشاہ اور آفات انسانی سے دور ہیں۔ آپ نے فقر اختیاری کو فقر اضطراری پر افضلیت دی اور غنا کو چھوڑ کر فقر اختیار کیا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابتدا سے انتہا تک تسلیم و رضا اختیار کی اور صوفیائے کرام نے آپ کی پیروی میں ہی ترک دنیا و منزلت اور ترک ریاست کی تمنا پسند کی ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل و کرامات فراست و دانائی سے مخصوص ہیں۔ آپ کا طریقت میں مقام دنیا سے کنارہ کشی کے معاملے میں انتہائی افضل و محترم ہے۔ آپ دیکھنے میں خلقت دنیا کے درمیان حکومت و خلافت کے عہدہ پر فائز تھے لیکن ان کے دل کو خلوت و تنہائی سے آرام ملتا تھا۔ آپ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص صحابہ میں سے ہیں اور بارگاہ الٰہی میں آپ کے تمام افعال اس حد تک مقبول ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام قبول کیا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر کہا: اے سید عالم آسمان والے آج حضرت عمرؓ کے اسلام لانے پر بشارت دیتے ہیں۔ صوفیائے کرام گدڑی پہننے اور دین میں صلابت و سختی اختیار کرنے میں آپ کی پیروی کرتے ہیں اور آپ تمام امور میں ساری دنیا کے امام ہیں۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حیاؤں کے خزانہ ہیں اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی درگاہِ اقدس سے بطور خاص منسلک ہیں۔ اہل صفا میں آپ کو اول مقام حاصل ہے اور صوفیائے کرام جو مال و جان خرچ کرتے ہیں اور مشکلات اور مصیبتوں میں تسلیم و رضا اور عبادت میں اخلاص کا مظاہرہ کرتے ہیں ان کا یہ عمل حضرت عثمان غنیؓ کی پیروی میں ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ جن کی طریقت میں شان بلند اور ارفع ہے اصول حقائق کی تعبیرات میں آپ کو کمال دسترس حاصل تھی اور صوفیہ کے لیے یہ حکم ہے کہ وہ عبادات کے حقائق، اشارات کی گہرائی، آخرت سے جدائی اور تقدیر الٰہی کے نظارہ میں آپ ہی کی پیروی کی جائے اور حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اصول و بلا میں ہمارے پیشوا و راہنما حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں:

ائمہ اہل بیت اس باب میں حضرت داتا صاحبؒ نے اہل بیت میں سے اہل تصوف کے ائمہ کا ذکر کیا ہے۔

۱- امام حسنؓ کو علم حقائق و اصول میں بے پناہ کمال حاصل تھا۔
۲- حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اہل بلا کے سردار ہیں اور اہل طریقت آپ کے حال کی درستگی پر متفق ہیں۔
۳- امام زین العابدینؒ اہل زمانہ میں سب سے زیادہ عبادت گزر۔ حقائق معرفت کے کھولنے والے اور اشارات طریقت کے بیان کرنے والے ہیں۔
۴- امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ زمانے میں ارباب مشاہدہ کی دلیل ہیں۔
۵- امام جعفر صادقؓ سنت نبوی کی تلوار طریقت کی زیبائش اور تصوف کی زینت ہیں۔

اصحاب صُفّہ (۱) حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت سلیمان فارسیؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ، ابو مسعود عبد اللہؓ اور ان کے علاوہ دوسرے اٹھارہ اصحاب صفہ کے بارے میں حضرت داتا صاحبؒ نے اس باب میں لکھا ہے کہ یہ تمام برگزیدہ اصحاب خدا کے دوست اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال سے آشنا تھے۔

تابعین از ائمہ طریقت اس باب میں حضرت اویس قرنیؓ، سیدنا ہرم بن حیانؓ، حضرت حسن بصریؒ اور سیدنا ابن المسیبؒ کے بارے میں تفصیل کے ساتھ ان کے مراتب اور کمال پر روشنی ڈالی ہے اور انہیں تمام جہان میں ممتاز اور اعلیٰ و ارفع قرار دیا ہے۔

ائمہ طریقت تبع تابعین اس باب میں حضرت داتا صاحبؒ نے ان مردان خدا کا حال بیان کیا ہے جو علم طریقت میں صاحبان کمال ہیں اور اسرار الٰہی کے بارے میں ان کے اشارات بصیرتوں کا سمندر ہیں۔ شریعت و طریقت کے ان روشن چراغوں کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

(۱) امام ابو حنیفہؒ، (۲) امام شافعیؒ (۳) امام احمد بن حنبلؒ (۴) مالک بن دینارؒ (۵) حبیب عجمیؒ (۶) ذوالنون مصریؒ (۷) معروف کرخیؒ (۸) داؤد طائیؒ (۹) ابراہیم ادہمؒ (۱۰) سری سقطیؒ (۱۱) فضیل بن عیاضؒ (۱۲)، جنید بغدادی (۱۳)، ابو بکر شبلیؒ (۱۴) منصور حلاج (۱۵)، ابو حازم المدنیؒ (۱۶)، محمد بن واسعؒ (۱۷) عبد اللہ بن المبارک (۱۸) ابو یزید بسطامیؒ (۱۹) بشر بن حافیؒ (۲۰) حارث بن محاسبیؒ (۲۱) ابو سلیمان داؤدؒ (۲۲) ابو علی شقیقؒ (۲۳) عبد الرحمان درانیؒ (۲۴) ابو عبد الرحمان حاتم بن عنوانؒ (۲۵) ابو عبد اللہ بن ادریس شافعیؒ (۲۶) احمد بن ابی الحواریؒ۔

صوفیائے متاخرین اس باب میں حضرت داتا صاحبؒ نے ان صوفی اساتذہ کا ذکر کیا ہے جو آپ کے زمانہ کے ہیں یا جن سے آپ

سے فیض حاصل کیا اور ان کا تعلق صوفیائے شام، عراق، قہستان، آذربائیجان کرمان اور ماوراءالنہر سے ہے۔

صوفیہ کے مکاتب فکر اور ان کے عقائد

کشف المحجوب کا یہ باب صوفی مکاتب فکر اور ان کے عقائد کی وضاحت کرتا ہے۔ حضرت داتا صاحبؒ نے اس عہد کے صوفیہ کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ بارہ مکاتب پر مشتمل تھے ان میں دس صداقت پر تھے اور باقی دو گمراہی کا شکار تھے۔

۱۔ محاسبیہ سلسلے کے بانی عبداللہ بن حارث محاسبیؒ تھے اور رضائے الٰہی کو مقامات کی بجائے احوال سمجھتے تھے۔

۲۔ قصاریہ مکتبۂ فکر کے بانی ابو حمدون قصارؒ تھے جو نظریۂ ملامت کے آغاز کنندہ ہیں۔

۳۔ بایزید بسطامیؒ کا سلسلہ طیفوریہ کے نام سے مشہور ہے اور نظریۂ مدہوشی کے قائل تھے۔

۴۔ نوریہ گروہ کے بانی ابوالحسن نوریؒ تھے جو صوفیانہ عقیدہ میں ایثار کو بنیادی اہمیت دیتے تھے۔

۵۔ سہیلیہ گروہ صوفیہ کے سردار سہل تستریؒ ہیں جو روحانی تکمیل کے لیے ریاضت و مشقت پر زور دیتے ہیں۔

۶۔ حکیمیہ فرقے کے بانی حکیم ترمذیؒ ہیں جو ولایت کے نظریہ کی وضاحت میں مشہور ہیں۔

۷۔ جنیدیہ کے سردار حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ تصوف میں نظریۂ ہوش کے قائل ہیں اور حضرت داتا صاحبؒ بھی جنیدی مشرب سے ہیں۔

۸۔ خرازیہ گروہ ابوسعید خرازؒ کے نام سے موسوم ہے اور فنا و بقا کا حال پہلی مرتبہ ابوسعید خرازؒ نے بیان کیا ہے۔

۹۔ خفیفیہ سلسلے کے بانی ابوعبداللہ خفیفؒ حاضر اور غیر حاضر کے نظریات کے ماہر ہیں۔

۱۰۔ سیاریہ کے بانی ابوالعباس سیاری کے عقیدہ کی خصوصیت جمع و تفرقہ ہے اور باقی دو گروہ جن میں سے ایک کا نام حلولیہ ہے اور دوسرا بے نام ہے۔ حضرت داتا صاحبؒ نے ان کی حقیقت بیان کرتے ہوئے انہیں تارک شریعت قرار دیا ہے اور ان کی پیروی سے منع فرمایا ہے۔

حضرت داتا صاحبؒ نے اس عہد کے صوفیہ کے مکاتب فکر کی بحث پر اس باب میں کئی ضمنی باب بھی شامل کیے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے نظریہ پر مفصل بحث فرمائی ہے۔ صوفیانہ نصاب میں ان نظریات کو مستقل حیثیت حاصل ہے اور انہی نظریات سے صوفیانہ نظام مربوط ہے۔ حضرت داتا صاحبؒ نے ثابت کیا ہے کہ یہ تمام نظریات درحقیقت روحانی زندگی کی تکمیل اور توحید الٰہی سے رسائی تک کے ایسے مراحل ہیں جن سے پوری صحت کے ساتھ گزرے بغیر تکمیل ناممکن ہے۔ انہی نظریات میں صوفیانہ نظام کی روح سمٹ آئی ہے اور حضرت داتا صاحبؒ نے قرآنی آیات اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ تابعین، تبع تابعین، صوفیائے متاخرین کے اقوال و افکار اور اشارات کے حوالوں سے ان نظریات کو پوری صحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے:

تسلیم و رضا: تسلیم و رضا کا جوہر ہی صوفیانہ زندگی، فکر و نظر اور اعمال و اشغال کی تکمیل کا بنیادی وسیلہ ہے اور رضا کی کیفیت ہر لمحہ خدا کے سامنے مکمل دستبرداری کا نتیجہ ہے۔ تسلیم و رضا کا فلسفہ علوم الٰہی کا ہی ایک حصہ ہے اور معرفت الٰہی کے حصول کا راز ہی رضا ہے۔ حضرت داتا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ رضا کی خصوصیت آزاد ہونا ہے۔ لیکن معاملات رضا کی حقیقت انسان کی اپنی پسند ہے کہ وہ یہ جان لے کہ منع و عطا اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے اور وہ یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ تمام حالات سے ہر لمحہ باخبر ہے ان معنوں میں بھی حکمائے تصوف کے چار گروہ ہیں۔ ایک گروہ خدا کی عطا پر راضی ہو۔ یہ معرفت ہے۔ دوسرا یہ کہ نعمتوں پر راضی ہو، یہ دنیا کے اندر ہے۔ تیسرا یہ کہ مصیبتوں پر راضی ہو یا یہ مختلف قسم کی ریاضتیں اور مشقتیں ہیں۔ اور چوتھا یہ کہ برگزیدگی پر راضی ہو یا یہ محبت ہے لہذا جو خدا کے جلوے کو عطا میں دیکھتے ہیں تو ان کے دل سے اس کے لیے مشقت جاتی رہتی ہے اور وہ جو عطا کے ذریعے خدا کو دیکھتے ہیں وہ عطا ہی میں رہ جاتے ہیں اور تکلیف سے خدا کی رضا میں چلتے ہیں۔ تکلیف میں سراسر رنج و مشقت ہے اور معرفت اس وقت حقیقت ہوتی ہے جب انسان مشاہدے میں ہو۔ جب معرفت قید و حجاب ہو تو معرفت مکردہ نعمت عذاب اور عطا پردہ بن جاتی ہے۔ لیکن وہ لوگ جو دنیا کے ذریعے اس سے راضی ہیں ان کے لیے سراسر نقصان ہے ایسی رضا دوزخ میں جھونک دیتی ہے اس لیے کہ جس دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور دوستی ہو اس کے لیے دنیا میں ذرہ بھر بھی کشش نہیں ہوتی۔ نعمت اس وقت نعمت ہے جب وہ نعمت دینے والے کی طرف راہنمائی کرے اور نعمت دینے والے سے دور کرنے والی نعمت سراسر مصیبت ہوتی ہے۔ وہ لوگ جو بلا کے ذریعے اس پر راضی ہیں مشقت کے ذریعے مشاہدے کی طرف مائل ہوتے ہیں جو برگزیدگی کی وجہ سے اس پر راضی ہوتے ہیں وہ اس کے محبوب ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ رضا میں معصیت سے خالی ہوتے ہیں ان کے دلوں کی منزلیں صرف اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہیں۔ ان کا باطن خلق سے خالی اور دل اللہ تعالیٰ کی محبت میں وارفتہ ہوتے ہیں اور اس کے لطف و کرم کا ہمیشہ انتظار کرتے ہیں . . . .

حال اور مقام کی وضاحت

علم طریقت میں حال اور مقام کی تشریح اس طرح ہے۔ مقام انسان کا حق کی راہ میں قیام کرنا ہے تاکہ اس مقام کا حق ادا کر کے اس کے کمال تک رسائی ہو اور حق ادا کیے بغیر اس مقام سے گزرا نہیں جا سکتا۔ تصوف میں چار مقام ہیں (۱) توبہ (۲) انابت (۳) زہد (۴) توکل۔ حال کی کیفیت یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دل پر طاری ہوتا ہے۔ حال نہ تو اپنے اختیار سے طاری کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی محنت و مشقت سے اور بغیر کسی محنت و مشقت سے انسان کے دل پر اللہ تعالیٰ کا جو لطف و کرم وارد ہوتا ہے اسے حال کہتے ہیں اسی لیے مقام اعمال کے شعبے سے ہے اور حال افضال الٰہی سے ہے۔ مقام سراسر کسبی ہے اور حال سراسر فضل ربی ہے۔ مقام والا اپنے مجاہدے سے قائم ہے اور حال والا اپنے وجود میں فانی ہونے سے۔

نظریہ مدہوشی اور ہوش

حضرت داتا صاحبؒ مدہوشی و بحالی ہوش کے مسئلے پر حضرت جنید بغدادیؒ کے نظریہ پر متفق ہیں اور اس

نظریئے پر تفصیل سے بحث فرمائی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ کسی صوفی کو حالت مدہوشی میں لانے کا ربانی مقصد یہ نہیں کہ اللہ تعالےٰ اپنے چاہنے والے عبادت گزار کو باقی انسانوں سے جدا کر دے اور فقر و تصوف میں ایک عارف حق کا مقام یہی ہے کہ وہ حالت مدہوشی سے باہر آئے اور ہوش و حواس کی روشنی میں رہے کیونکہ الٰہی احکام کی نوعیت ان پر عمل درآمد کی صحت کا معیار بصیرت و مشاہدہ کی سلامتی پر ہے جو بحالی ہوش کی علامت ہے۔ مدہوشی بچوں کا کھیل ہے اور ہوش شہادت گہ مرداں ہے کیونکہ مدہوشی کی حالت کا تجربہ ایک ایسا تجربہ ہے جس سے مشیت الٰہی کی تکمیل کا دعویٰ کرنا بے خبری کی علامت ہے اور چونکہ صوفیانہ زندگی کا بنیادی مقصد احکام الٰہی کے تحت اپنے معاشرے اپنے گرد و پیش کی خدمت کرنا، رحم اور نیکی کو فروغ دینا ہے لہٰذا ان کی شناخت صرف ہوش میں ہی ہو سکتی ہے مدہوشی میں تو اپنی خبر نہیں ہو سکتی۔ گرد و پیش اور احکام الٰہی کی خبر کیسے ہوگی۔ حضرت داتا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ بحالی ہوش فنائے صفت میں دیدار کامل کا دائم ہونا ہے اور یہی کشف و مشاہدہ ہے۔

حقیقت نفس

حضرت داتا صاحبؒ نے نفس کی حقیقت کو مختلف صوفیانہ امور کے سلسلے میں بھی بیان کیا ہے اور الگ باب میں بھی اس کو موضوع بحث بنایا ہے۔ نفس کی الگ الگ تعبیریں بھی بیان کی گئی ہیں۔ اسے مختلف دقتوں میں روح، مروت، جوانمردی، جسم اور خون کا نام دیا گیا ہے لیکن صوفیہ کے نزدیک نفس کی حقیقت یہ نہیں ہے بلکہ نفس برائی اور شر کا منبع ہے۔ ۔ ۔ حضرت داتا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ نفس کے افعال کی دو قسمیں ہیں۔ ایک معصیتؒ نافرمانی کی اور دوسری کمینہ خصلت کی جس میں حسد، تکبر، بخل، غصہ اور کینہ شامل ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ خلاف شریعت اور مذموم امور بھی ہیں۔ صوفی ریاضت اور عبادت سے ان برائیوں پر فتح حاصل کرتے ہیں تاکہ باطن صاف ہو جائے نفس کی حمایت میں ہلاکت پوشیدہ ہے اور اس کی مخالفت سے نجات حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نفس کی مخالفت کا حکم دیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدۂ نفس کو جہاد پر فضیلت دی ہے۔ مجاہدہ نفس سے مراد نفس کو پامال کرنا اور اس کو مغلوب کرنا ہے مجاہدہ نفس کو مہذب اور لطیف بناتا ہے۔ اور جو مجاہدہ کرتا ہے مشاہدہ سے سرفراز ہوتا ہے اور نفس پر فتح پانے کے لیے ہر گروہ اور ہر جماعت نے تعریف کی ہے۔ مشائخ کرام کے نفس کے بارے میں اقوال یہ ہیں۔ "نفس کی پیروی میں اللہ تعالےٰ کی مخالفت ہے"
ذوالنون مصریؒ۔
نفس کی صفت یہی ہے کہ وہ برائی سے تسکین حاصل کرتا ہے۔ بایزید بسطامیؒ
کفر کی بنیاد نفس پر قائم رہنا ہے؛ جنید بغدادیؒ۔
نفس امانت میں خیانت کرنے والا اور طلب الٰہی میں رو کنے والا ہے۔
ابو سلیمانؒ۔

ترک خواہش اور ترک شہوت

ایک طبقہ کے نزدیک نفس کے اوصاف میں ایک وصف خواہش ہے اور دوسرے کے نزدیک طبعی ارادہ کا نام ہوا (خواہش) ہے جس طرح روح کے لیے عقل ہے اور ہر وہ روح جس کی اپنی فرمائش میں عقلی قوت نہ ہو ناقص ہوتی ہے اسی طرح ہر وہ نفس جس کے لیے ہوا (خواہش) کی قوت نہ ہو ناقص ہے انسان ہمیشہ درد و عتاب اور تحریکوں کا مرکز بنتا ہے ایک عقل کی طرف سے اور دوسری خواہش کی طرف سے، جو عقل کی دعوت پر لبیک کہے وہ ایماندار ہوتا ہے اور جو ہوا (خواہش) کی پیروی کرے وہ ذلت و رسوائی کا نشانہ بنتا ہے۔ ۔ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔ "جو اپنے رب کے مقام سے ڈرتے ہیں اور نفسانی خواہشوں سے بچتے ہیں بلاشبہ ان کا ٹھکانا جنت ہے۔" رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ "میری امت پر سب سے زیادہ خوفناک چیز ہوا (خواہش) کی پیروی اور امیدوں کی درازی ہے۔" حضرت ابن عباسؓ اس آیت اور حدیث کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جس نے اپنی ہوا کو اپنا معبود بنا لیا اس شخص پر افسوس ہے کہ جس نے حق تعالےٰ کے سوا اپنی خواہش کو معبود بنا کر رات دن اپنی طاقتیں اس کی چاپلوسی میں ختم کر دیں۔ حضرت داتا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ تمام نفسانی خواہشیں دو قسم کی ہیں ایک لذت و شہوت کی خواہش ہے اور دوسری لوگوں میں قدر و منزلت حاصل کرنے کی خواہش۔ لذت و خواہش اور قدر و منزلت کی خواہش کے پیروکار لوگوں کے لیے فتنہ ہیں اور وہ خود بھی راہ حق سے دور ہیں اور لوگوں کو بھی اس گمراہی میں پھنساتے ہیں۔

اقرار ولایت

حضرت داتا صاحبؒ کتاب و سنت کی روشنی میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کے اولیاؒ وہ ہیں جن کو خدا نے اپنی دوستی و ولایت سے مخصوص فرما کر اپنے ملک کا والی بنایا اور ان کے مرتبوں کو عظمت بخش کر اپنے فعل و اظہار کا مرکز بنایا انہیں نفس و ہوا کی پیروی سے پاک و منزہ فرمایا تاکہ ان کے تمام ارادے خدا کے لیے ہوں اور ان کی محبت اسی سے ہو۔ ماضی میں بھی اولیاؒ ہوئے ہیں آج بھی ہیں اور قیامت تک رہیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے اس امت کو گذشتہ تمام امتوں پر شرافت و بزرگی عطا کی ہے اور ضمانت دی ہے کہ میں شریعت محمدیہ کی ہمیشہ حفاظت کروں گا۔ ولایت کے معنی محبت کے بھی ہیں اور اسم ولی جائز و درست ہے اس سلسلے میں اللہ تعالےٰ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نیک بندوں کا محبوب ہے۔ اور اللہ تعالےٰ اپنے بندے کو اپنی حفاظت اور پناہ میں رکھتا ہے جب بندہ اللہ تعالےٰ کی اطاعت میں بے پناہ محبت کا اظہار کرتا ہے اس کے حقوق کی پاسداری کرتا ہے اور اس کے غیر سے کنارہ کش ہوتا ہے تو مرید بن جاتا ہے اور اللہ تعالےٰ مراد۔ یہ درست ہے کہ اللہ تعالےٰ بے پناہ محبت کرنے والوں کو دوستی و محبت سے مخصوص فرماتا ہے اور دشمنی کے مقامات سے محفوظ رکھتا ہے۔ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔ "وہ خدا سے محبت رکھتے ہیں اور خدا انہیں محبوب رکھتا ہے۔" ایسا اس لیے ہے کہ ان کی دوستی خدا کے لیے ہو اور خدا انہیں ہی دوست رکھے انہیں ولایت عطا کر کے اطاعت پر قائم رکھے تاکہ اس کی عقدہ کشائی سے کائنات میں عقدہ کشائی ہو، ان کی دعائیں قبول ہوں۔ جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ بہت سے بندگان خدا پریشان حال، گریبان چاک اور زلف آوارہ ہوتے ہیں جن کی لوگ پروا نہیں کرتے لیکن وہ اللہ کی قسم کھا لیں تو اللہ تعالےٰ ان کی قسموں کو ضرور پورا کرتا ہے۔

اقسام اولیا اللہ

مشکلات کو حل کرنے والے اور حل شدہ کو بند کرنے والے اولیاؒ بارگاہ حق کے لشکری ہیں۔ ان کی تعداد تین سو ہے ان کو اخیار کہتے ہیں۔ چالیس ابدال ہیں اور سات ابرار، چار اوتاد ہیں اور تین نقبا، ایک قطب یا غوث ہے۔ یہ وہ ہیں جو ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں، معاملات و امور میں ایک دوسرے کی اجازت کے محتاج ہیں۔

اثبات کرامت کی بحث

صحیح طور پر مکلف ہونے کی حالت میں ولی پر کرامت کا ظہور جائز ہے اور عقل کے نزدیک بھی یہ ممکن ہے اس لیے یہ از قسم قدرت الٰہی ہے اور شریعت میں اس کے اظہار کے منافی ہونے پر کوئی سند نہیں کرامت ولی کی صداقت کی علامت ہے اور جھوٹے پر کرامت کا ظہور نہیں ہوتا حضرت داتا صاحب رح فرماتے ہیں کہ کرامت وہ فعل ہے جو انسانی عادت کے برعکس ہے۔ کرامت حق ہے لیکن معجزے کی حد تک نہیں مثلاً دعا کی قبولیت اور حصول مراد۔ لہذا معجزہ انبیاء کے لیے ہے اور کرامت اولیاء کے لیے مخصوص ہے معجزہ کی شرط اظہار ہے اور کرامت کی شرط چھپانا ہے ولی کی کرامت کسی طرح بھی نبی کی شریعت کے خلاف نہیں ہوتی بلکہ ولی کو شریعت کے معاملے میں نبی کے احکام کو ہر حال میں تسلیم کرنا ہوتا ہے لیکن کرامت کا ظہور ولی سے صرف حالت مدہوشی میں ہوتا ہے جو حالت ہوش میں ہو وہ معجزہ ہوتا ہے اولیاء جب تک بشریت کے حال کو قائم رکھتے ہوئے ہوش میں ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ سے حجاب میں ہوتے ہیں اور جب مشاہدہ کرنے والے ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے امکان کی حقیقت میں مدہوش اور متحیر ہو جاتے ہیں۔ کرامت کا ظہور سوائے حالت کشف کے کسی اور حالت میں درست نہیں کیونکہ وہ قرب کا درجہ ہوتا ہے پتھر اور سونا اس وقت ان کے لیے برابر ہوتا ہے۔

انبیاء کی فضیلت اولیائے کرام پر

انبیاء کرام دعوت دینے والے اور اولیاء ان کے مقتدی ہوتے ہیں یہ محال ہے کہ مقتدی امام سے فاضل تر ہو۔ مختصر یہ کہ اگر جملہ اولیاء کرام کے احوال انفاس و روزگار کو ایک جگہ رکھ کر نبی کے ایک گام صدق سے مقابلہ کیا جائے تو جملہ احوال و انفاس پراگندہ نظر آئیں گے۔ کیونکہ اولیاء طلب میں گامزن ہوتے ہیں اور انبیاء منزل پر پہنچ کر گوہر مقصود حاصل کر چکے ہوتے ہیں اور اس کے بعد دعوت سے خلقت کو راہ حق دکھاتے ہیں۔

حضرت بویزید رح سے پوچھا گیا کہ آپ انبیاء کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔ کہا "خدا نا کردہ! ہم انبیاء کے بارے میں فیصلے نہیں دے سکتے۔ ان کی نسبت ہمارے تصورات ہماری ذاتی بساط کے مطابق ہوتے ہیں۔ باری تعالےٰ نے ان کی نفی اور اثبات اس مقام پر رکھی ہے جہاں انسانی نظر قاصر رہ جاتی ہے۔ اولیاء کا مرتبہ لوگوں کی نظر سے پنہاں ہے۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کا مقام اولیاء کے دائرہ تصرف سے باہر ہے"

فنا اور بقا کی حقیقت

حضرت داتا صاحب رح فرماتے ہیں کہ علم کی زبان میں فنا اور بقا کے معنی کچھ اور ہیں اور زبان حال میں اس کا مفہوم کچھ اور ہے ظاہری علوم کے ماہر اس معنی میں جتنے حیران ہیں کسی اور معنی میں نہیں ہیں۔ فنا اور بقا کی بھی تین اقسام ہیں ایک یہ کہ بقا وہ ہے جس کا ابتدائی کنارہ بھی فنا میں ہو اور آخری کنارہ بھی فنا ہیں۔ مثال کے طور پر یہ ابتدا میں بھی نہیں تھا اور انتہا میں بھی نہیں ہوگا۔ دوسری یہ کہ بقا سرے سے موجود ہی نہ ہو اور جب وجود میں آجائے تو پھر فنا ہی نہ ہو۔ جیسے بہشت دوزخ اور عالم عقبیٰ۔ تیسری قسم یہ ہے کہ وہ بقا جو ہمیشہ سے تھی اور ہمیشہ رہے گی۔ یہ حق تعالےٰ کی ذات اور اس کی صفات ہیں جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ قدیم صفات کے ساتھ رہے گا اور دائمی بقا سے مراد اس کا دائمی وجود ہے۔ فنا کا علم یہ ہے کہ تم نے جان لیا کہ یہ دنیا فانی ہے اور بقا کا علم یہ ہے کہ آخرت باقی ہے۔

فنا اور بقا کے علم کی بنیاد کامل خلوص کے ساتھ وحدانیت کے اقرار پر ہے ایسا اقرار جو مشاہدے کے نور سے منور ہو اور یہ مقام اس وقت صرف ان بے مثال اور عظیم انسانوں کو حاصل ہوتا ہے جب وہ محنت و ریاضت کی جفاکشی سے آزاد ہو جاتے ہیں اور مقامات کی اسیری اور احوال کی تغیر پذیری سے نجات حاصل کر کے قیام کی ابدی حالت میں مقیم ہوتے ہیں۔ ان کے دیکھنے کی تمام صلاحیتیں جلال خداوندی کے نظارہ میں محو ہو جاتی ہیں۔ اور جاننے کی تمام طاقتیں اسرار حصول کے لیے وقف ہو جاتی ہیں۔

اس باب میں حضرت داتا صاحب رح نے جنیدی نظریہ فنا و بقا کی روشنی میں ان مراحل کو اس طرح واضح کیا ہے کہ فنا یہ ہے کہ جب ایک عبادت گزار الوہی حقیقتوں کی مدد سے اپنی انفرادیت کے خاتمے کی آخری منزل پر ہوتا ہے تو وہ انسانی صفات کی حالت سے گزر کر ربانی صفات کی حالت میں داخل ہو چکا ہوتا ہے یہ عین فنا کی حالت ہے اور فنا ہونے والے فنا سے بھی فانی ہو جاتا ہے فنا و بقا کے سلسلے میں صوفی مشاہیر نے ان گنت بھید بیان کیے ہیں اور صوفی مشاہیر کے اقوال معنوں کے لحاظ سے ایک دوسرے کے بہت قریب ہیں جنہیں ایک جملے میں اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ بندگی میں خلوص کا ہونا بقا ہے اور بارگاہ الٰہی میں گم ہو جانا فنا ہے۔

حاضر اور غیر حاضر کی بحث

حاضر اور غیر حاضر کے دونوں لفظ اگرچہ ایک دوسرے کی ضد ہیں لیکن مفہوم کے اعتبار سے عکس و سایہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان دونوں حالتوں (حاضر اور غیر حاضر) کا منطقی نتیجہ اپنے آپ سے غائب ہونا ہے لہذا جو اپنے آپ سے غائب ہو گیا وہ اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو گیا۔ ان دونوں حالتوں میں ایسا انسان اللہ تعالےٰ کے تصرف میں ہے اور اللہ تعالےٰ ہی حاضر اور غیر حاضر کی حالت میں اس کا مالک ہے کیونکہ اس حالت میں انسان کی کوئی نسبت باقی نہیں رہتی اور اللہ تعالیٰ سے اتحاد کی یہی آخری نشانی ہے لیکن اس کے باوجود کچھ صوفیہ حاضر ہونے کی حالت کو افضل سمجھتے ہیں اور کچھ غیر حاضر ہونے کو اعلیٰ درجہ دیتے ہیں لیکن اس حقیقت پر سب کا اتفاق ہے کہ اپنے آپ سے غائب ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ انسان شہروں، بستیوں اور اپنے بھائی بندوں سے غائب ہو جائے بلکہ غائب ہو جانے کا مطلب اپنے ہر ارادے سے کنارہ کش ہونا اور اپنے آپ کو مکمل طور پر اللہ کے اختیار میں دینا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہی اس کا ارادہ ہو جائے اور حاضر وہ ہے جس کے دل میں نہ دنیا کی فکر ہو اور نہ آخرت کی۔ اسے کسی خواہش سے راحت نصیب نہ ہو اور نہ ہی کسی کامیابی اور رتبے کا حصول اس کے احساس کا حصہ ہو۔

جمع و تفرقہ کی حقیقت

حضرت داتا صاحب رح اس صوفیانہ اصطلاح کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک دعوت میں تمام مخلوق کو جمع کیا اور فرمایا: "اللہ تعالےٰ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے"! اور ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا ہے۔ "اللہ تعالےٰ جسے چاہتا ہے صراط مستقیم کی ہدایت دیتا ہے"! دعوت میں تو اللہ تعالےٰ نے سب کو پکارا اور ایک گروہ کو اظہار مشیت کے حکم سے خارج کرایا یعنی جدا کر دیا۔ اس

طرح ایک گروہ کو عصمت عطا فرمائی اور دوسرے کا آفتوں کی طرف میلان کر دیا۔ لہٰذا اظہار مشیت کے حکم میں داخل کرنا جمع ہے اور خارج کرنا تفرقہ یعنی جدا کرنا ہے۔ صوفیہ نے اس سلسلے میں اس پر اتفاق کیا ہے کہ جمع وہ ہے جو اس کے اوصاف سے جمع ہو اور تفرقہ وہ ہے جو اس کے افعال سے افعال سے جدا ہے۔ حکمائے تصوف کی عبارتوں میں تفرقہ سے مراد بندہ کا اختیاری عمل ہے اور جمع سے مراد مجاہدہ و مشاہدہ ہے چنانچہ جو عبادت گزار انسان اپنے مجاہدے اور ریاضت سے اللہ تعالےٰ تک رسائی حاصل کرتا ہے وہ سب تفرقہ ہے اور جو حق تعالےٰ کی طرف سے انسان پر خاص عنایت و ہدایت ہو وہ جمع ہے اور انسان کی عظمت اس میں ہے کہ وہ اپنے اختیاری افعال اور جمال حق کے لیے مجاہدے کی قدرت میں اپنے فعل کی آفت سے محفوظ ہو، اپنے افعال کو افضال ہی میں گم پائے اور مشاہدہ کو ہدایت الٰہی کے دامن میں منفی دیکھے۔ اس طرح وہ اپنی ہر اقامت میں اللہ تعالےٰ کے ساتھ قائم اور اوصاف میں اس کا وکیل ہوگا۔ لہٰذا اللہ تعالےٰ کے دوست اور محبوب اسرار الٰہی سے تو مجتمع ہیں لیکن معاملات اظہار میں الگ الگ ہیں۔

روح کی تحقیق روح کی حقیقت اور اس کی ماہیت کی تحقیق میں انسانی عقل عاجز ہے۔ ہر مفکر اور عالم نے اپنے فہم و قیاس کے مطابق اس پر کچھ نہ کچھ اظہار خیال کیا ہے۔ چنانچہ کافروں نے بھی اس میں خامہ فرسائی کی ہے۔ جس وقت کفار قریش نے یہودیوں کی سازش کے تحت نضر بن حارث کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا کہ وہ حضور پاک سے روح کی حقیقت اور ماہیت کے بارے میں سوال کرے۔ پہلے تو اللہ تعالےٰ نے روح کے وجود کا اثبات فرمایا اور پھر ارشاد ہوا۔ "اے محبوب! تم سے یہ روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں اور آپ فرما دیں کہ یہ میرے رب کے حکم سے ہے"

انسانی جسم میں روح کا قیام عارضی ہے اور اس کی حیثیت ادھار لی ہوئی چیز کی طرح ہے جسے ہر حال میں واپس ہونا ہے۔ روح عین روح ہے اور کوئی صفت نہیں ہے۔ روح کو حیات سمجھ لینا درست نہیں اور روح بذات خود حیات نہیں ہے۔ قرآن حکیم اور ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے مطابق روح مادی جسم سے بہت پہلے تخلیق ہوئی ہے اور حیات کے سوا اس کے وجود کا مشاہدہ بھی نہیں ہو سکتا۔ صوفی حکماء کی اکثریت کا اس پر اتفاق ہے کہ روح نہ تو عینی ہے اور نہ ہی وصفی۔ اللہ تعالےٰ جب تک چاہتا ہے اسے انسانی قالب میں رکھتا ہے اور دستور کے مطابق اس میں زندگی پیدا کر دیتا ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ روح انسانی جسم سے جدا ہو جائے گی جس طرح نیند کی حالت میں روح جسم سے نکل جاتی ہے اور انسان نیند کی حالت میں حیات کے ساتھ زندہ ہوتا ہے اور یہ بھی ناممکن ہے کہ جسم سے روح نکل جانے کے بعد عقل و خرد رہ جائے....

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "شہدا کی روحیں سبز پرندوں کی شکل میں ہوتی ہیں اور روحیں صف بستہ لشکر ہیں اور میں نے شب معراج میں حضرت آدم صفی اللہ، یوسف صدیق اللہ، موسیٰ کلیم اللہ، ہارون حکیم اللہ عیسیٰ روح اللہ اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ صلواۃ اللہ علیہم کو آسمانوں پر دیکھا۔ یقیناً وہ ان کی روحیں تھیں۔ ہستی و وجود کی حالت میں روح کو نہیں دیکھا جا سکتا اور نہ ہی اس کے وجود کے لیے کوئی مقام ضروری ہے"

حضرت ابوبکر واسطی رحمۃ اللہ علیہ نے روح کے دس مقامات بیان کیے ہیں (۱) خطاکاروں کی ارواح کو معلوم نہیں ہوتا کہ آخرت میں ان کے ساتھ کیا ہوگا (۲) پرہیزگاروں کی روحیں پہلے آسمان پر اچھے اعمال کی وجہ سے خوش و خرم ہیں (۳) مریدان حق کی روحیں چوتھے آسمان پر صدق معاملہ اور اعمال صالحہ کی وجہ سے فرشتوں کے ساتھ رہتی ہیں (۴) اہل احسان کی روحوں کی غذا رحمت الٰہی اور قرب حق ہے (۵) اہل وفا کی روحیں صفا کے پردے اور عظمت کے مقام پر خوش رہتی ہیں (۶) شہدا کی روحیں بہشتی پرندوں کے قالب میں جنت کی مکین ہیں (۷) مشتاقان حق کی روحیں ادب کے فرش پر انوار صفات کے پردوں میں مقیم ہیں (۸) عارفوں کی روحیں صبح و شام تقدس کی ہواؤں میں خدا کی باتیں سنتی ہیں اور دنیا و جنت میں اپنے ٹھکانوں کو دیکھتی ہیں (۹) خدا کے دوستوں اور محبوبوں کی روحیں مشاہدۂ الٰہی میں محو ہیں (۱۰) درویشوں کی روحیں فنائے صفت سے گزر کر اور اپنی صفتیں بدل کر تبدیل ہو چکی ہیں۔ مشائخ کرام نے اس امر کی شہادت دی ہے کہ انہوں نے ہر ایک روح کو اس کی جداگانہ صورت میں دیکھا ہے اور وہ موجود ہیں ان کا جسم لطیف ہے ان کو دیکھا جا سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ جب چاہے اور جس کو چاہے دکھا دیتا ہے۔

معرفت الٰہی معرفت الٰہی ایک علمی ہے اور دوسری حالی، معرفت علمی دنیا و آخرت کی تمام نیکیوں کی بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے جن و انسان کو اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری معرفت حاصل کریں...

حضرت داتا صاحبؒ نے معرفت کو اللہ تعالےٰ کی پہچان کی ایک ایسی حالت قرار دیا ہے جو صوفی کا منتہائے مقصود ہوتی ہے، اور معرفت الٰہی ہر چیز کی ملکیت خدا کے لئے ہونے کا یقین بن کر عارف کے نفس و روح میں سما جاتی ہے اور جب انسان اپنی ہر چیز سمیت خدا کی ملکیت میں آ جاتا ہے تو اسے کائنات کی کسی چیز سے سروکار نہیں رہتا۔ معرفت میں انسانوں کا یقین کبھی کم اور کبھی زیادہ تو ہو سکتا ہے لیکن مکمل معرفت میں کمی و بیشی کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ معرفت میں زیادتی اور کمی صریحاً نقصان کا باعث ہے۔ معرفت میں کسی کی پیروی جائز نہیں اور اللہ تعالےٰ کو اس کی تمام صفات کے ساتھ پہچاننا چاہیئے اور ایسا ہونا بھی اللہ تعالےٰ کی خاص عنایت ہے۔

حضرت داتا صاحبؒ کا ارشاد ہے کہ عقل و استدلال بھی اللہ تعالیٰ کی ملکیت اور اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے کہ اپنے کسی فعل کو کسی کے لیے دلیل بنا دے اور اسے اپنی طرف آنے کا راستہ دکھا دے چاہے تو اپنے تمام افعال کو کسی کے لیے پردہ بنا دے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ تک رسائی سے محروم ہو جائے۔ معرفت حاصل کرنے کا ذریعہ علم ہی ہے اور علم کے کئی درجے ہیں۔ جتنا کسی کا علم ہوگا اتنا ہی وہ معرفت سے بہرہ ور ہوگا کوئی بھی عارف اس بات کا مجاز نہیں کہ وہ اللہ تعالےٰ کی معرفت کا دعویٰ کرے دعویٰ کرنے میں ناکامی اور ہلاکت کے سوا کچھ بھی نہیں اور معرفت کے معنوں میں اللہ تعالیٰ سے قائم کیا ہوا تعلق ہی صداقت پر مبنی ہے۔

خدا سے محبت محبت ایک ایسی حالت ہے جو انسان اپنے دل میں محسوس کرتا ہے۔ یہ اتنی مخفی اور پُر از ابہام ہوتی ہے کہ اس کے

اظہار میں لفظ پیچھے رہ جاتے ہیں یہ روحانی کیفیت ایک عبادت گزار کو اللہ تعالیٰ کی عظمت شناخت کرنے میں پورے خلوص سے مدد کرتی ہے اور اس کے باطن میں یہ آرزو ابھرتی ہے کہ وہ خدا کی رضا حاصل کرے۔ اس میں شوق اور وابستگی کا ولولہ بیدار رکھتی ہے اور وہ خدا کے بغیر کبھی سکون نہیں پاتا خدا کی محبت بندہ کے لیے اور بندہ کی محبت خدا کے لیے ایک حقیقی امر ہے کتاب و سنت میں اس کی تائید و تصدیق کی گئی اور تمام صوفی مشاہیر اس پر متفق ہیں کیونکہ خدا کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ اپنے دوستوں کو محبوب رکھتا ہے اور محبوبان خدا سے دوست رکھتے ہیں۔

توحید الٰہی اللہ تعالیٰ کو اکیلا جاننا اور اس پر صحیح علم رکھنا توحید کی حقیقت ہے توحید کے تین درجے ہیں (۱) اول وہ توحید جو ذات باری کے حق میں ہوتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا علم ہے کہ اس کی ذات یکہ و تنہا ہے اور وہ اپنے بارے میں یہ حکم لگاتی ہے کہ وہ واحد اور تنہا ہے (۲) وہ توحید جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے لیکن اس کا موضوع و معروض انسان ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ذات باری یہ حکم لگاتی ہے کہ انسان اس کی وحدانیت کا اقرار کرنے والا اور تسلیم کرنے والا ہے اور انسان کو خود اس ذات نے اس وحدانیت کے ماننے کا ملکہ عطا فرمایا ہے (۳) وہ توحید جو مخلوق کی جانب سے ذات خداوندی کے حق میں ہوتی ہے اور اس سے مراد انسان کا وہ علم ہے کہ اللہ تعالیٰ تنہا اور واحد ہے۔ اللہ تعالیٰ ازلی ہے اور انسان مظہر اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت انسان سے ملتی ہے لہذا ایک ازلی اور ایک مظہر کے درمیان کسی قسم کی یکسانیت پیدا نہیں ہو سکتی اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی قسم کا اشتراک وجود میں آسکتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ایک ہی ہے وہ اپنی ذات و صفات میں بے مثال اور اپنے افعال میں لاشریک ہے۔ توحید پرستوں نے اللہ تعالیٰ کو اس کی اپنی صفات کے حوالے سے پہچانا ہے حضرت جنید بغدادیؒ کے اس نظریہ توحید کہ "توحید ازلی اور قدیم کو مظہر سے الگ کرنے، مانوس ٹھکانوں سے دستبردار ہونے، اپنے بھائی بندوں کو چھوڑنے اور معلوم و نامعلوم کو فراموش کر دینے اور ان سب کی جگہ صرف اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنے سے عبارت ہے" کا مطلب یہ ہے کہ مانوس ٹھکانوں سے دستبردار ہونے کا مطلب خواہشوں کی لذت، دل کی راحت اور طبیعت کے قرار کے تمام مقام سے ہجرت ہے۔ بھائی بندوں کو چھوڑنے سے مراد لوگوں سے دامن چھڑا کر صحبت حق اختیار کرنا ہے معلوم و نامعلوم کو فراموش کر دینے کے اشارے میں یہ حقیقت پوشیدہ ہے کہ مخلوق یا مظہر کا علم کسی خوبی یا کسی کیفیت کا محتاج نہیں اور مخلوق کا جو بھی علم اللہ تعالیٰ کی توحید ثابت کرنے کے لیے پیش کیا جائے گا۔ توحید اس کی نفی کرے گی اور اگر یہ جہل سے ثابت کرنے کی کوشش کی جائے گی تو یہ اپنے علم کے خلاف ہوگا کیونکہ توحید میں جہل نہیں ہے لہذا توحید تک رسائی صرف معلوم اور نامعلوم کو فراموش کر دینے سے ممکن ہے اور تصوف کے نصاب میں توحید کے موضوع پر حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد سند ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنا علم حاصل کرنے کا کوئی دوسرا ذریعہ نہیں بخشا سوائے عاجزی اور بے بسی کے جو انہیں علم حاصل کرنے میں پیش آتی ہے اور توحید یہ ہے کہ خدا پرست کو خدا کے اختیار میں کوئی اختیار نہ رہے وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت میں خود کو اس قدر سمو دے کہ اس کو اپنا آپ بھی دکھائی نہ دے اور وہ ایسا ہو جائے جیسا کہ وہ ازل سے توحید کی حالت میں تھا جہاں کہنے والا بھی خدا تھا اور جواب دینے والا بھی خدا۔

شریعت و طریقت

یہ دونوں اصطلاحات بھی اصطلاحات صوفیہ میں شامل ہیں۔ شریعت سے مراد حال ظاہر کی صحت اور حقیقت سے مراد حال باطن کی درستی ہے۔ دو گروہ اس معاملے میں غلطی کے مرتکب ہیں۔ ایک علمائے ظاہر ہیں جو دونوں میں فرق نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ شریعت بذات خود حقیقت اور حقیقت شریعت ہے۔ دوسرا گروہ ملحدین کا ہے جو دونوں کو علیحدہ علیحدہ قائم سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں جب حقیقت بروئے کار ہو تو شریعت کی ضرورت نہیں رہتی۔ یہ عقیدہ شیعیوں، قرامطہ اور دوسرے دعوے ڈالنے والے لوگوں کا ہے۔ اس بات کی دلیل کہ احکام شریعت حقیقت سے جدا ہیں۔ یہ لائی جاتی ہے کہ ایمان کے معاملے میں دل کی تصدیق زبان کے قول سے جدا ہے اور اس بات کی دلیل کہ دونوں دراصل ایک ہیں یہ ہے کہ محض دل کی تصدیق بغیر زبانی قول کے ایمان نہیں ہوتا اور قول بغیر تصدیق کے بے معنی ہوتا ہے۔ قول اور تصدیق کا فرق ظاہر ہے۔ پس حقیقت عبارت ہوتی ہے۔ ایسے معنی سے جس میں کوئی تغیر اور تبدل روا نہ ہو پیدائش آدم سے فنائے عالم تک اس کی حقیقت یکساں رہتی ہے جیسے معرفت حق اور خلوص نیت پر مبنی اعمال شریعت عبارت ہے۔ ایسے معنی سے جس میں تغیر و تبدل روا ہوتا ہے جیسے احکام و اوامر۔ شریعت فعل انسانی ہے اور حقیقت حق تعالیٰ کی پرورش ہے اور اس کی حفاظت اور تقدس شریعت کی اقامت حقیقت پر منحصر ہے۔ اسی حقیقت کی اقامت کا انحصار شریعت پر ہے اس کی مثال یوں سمجھنا چاہیئے کہ جسم میں جب تک جان ہے انسان زندہ ہے جب جان نکل جائے تو جسم مردار ہے اور جان کی حیثیت ہوا سے زیادہ نہیں۔ ظاہر ہے جسم اور جان کی اہمیت باہم ملاپ سے ہے۔ بالکل یہی عالم شریعت و حقیقت کا ہے۔ شریعت بغیر حقیقت ریا اور حقیقت بغیر شریعت منافقت ہے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا، ترجمہ "جو لوگ ہمارے لیے کوشش کرتے ہیں ہم انہیں اپنا راستہ دکھا دیتے ہیں" مجاہدہ شریعت ہے اور ہدایت حقیقت۔ شریعت احکام ظاہر کی حفاظت ہے بندہ کے لیے اور حقیقت بندے کے احوال باطن کی حفاظت ہے۔ حق تعالیٰ کی طرف سے شریعت کسب انسانی ہے اور حقیقت انعام خداوندی۔

علم الیقین

جس میں یقین شامل نہ ہو اور جو چیز حقیقت اور صحت پر مبنی نہ ہو، علم نہیں ہو سکتا جب علم حاصل ہوتا ہے تو غیب عین نظر کے سامنے آجاتا ہے۔ قیامت کے روز اہل ایمان حق تعالیٰ کو اسی صورت میں دیکھیں گے جس صورت میں آج دنیا میں اس کو جانتے ہیں اس کے خلاف ہوگا تو یا حشر میں رویت صحیح نہیں ہوگی یا ان کا آج کا علم صحیح نہیں یہ دونوں چیزیں خلاف توحید ہیں کیونکہ توحید حق کا اثبات یہی ہے کہ آج مخلوق کا علم درست ہو اور کل حشر کے روز رویت صحیح ہو اور توحید سے متعلق علم الیقین عین الیقین ہو جائے اور حق الیقین علم الیقین ہو جائے۔

صوفیہ کے نزدیک علم الیقین دنیوی معاملات سے متعلق احکام اور اوامر کو جاننا ہے عین الیقین سے مراد عالم نزع اور سفر آخرت کا علم ہے اور حق الیقین کا مطلب حشر کے دن رویت باری تعالیٰ اور اس کی کیفیت سے مستفید ہونے کا نام ہے الغرض

علم الیقین علماء کا مقام ہے کیونکہ وہ شرعی احکام و امور پر ثابت قدم ہوتے ہیں۔ عین الیقین عارفانِ حق کا درجہ ہے کیونکہ وہ ہر وقت موت کے لیے مستعد رہتے ہیں۔ حق الیقین محبانِ حق کا مقام ہے کیونکہ وہ کل موجودات سے روگرداں رہتے ہیں۔ علم الیقین کی بنیاد مجاہدہ پر ہے۔ عین الیقین کی محبت حق پر اور حق الیقین کی مشاہدۂ حق پر۔ پہلی چیز عام ہے اور دوسری چیز خاص اور تیسری خاص الخاص:

حج

کوئی شخص حضرت جنید رحہ کے پاس آیا۔ آپ نے پوچھا تم کہاں سے آئے ہو؟ عرض کی کہ میں حج کے لیے گیا ہوا تھا۔ آپ نے پوچھا کیا حج کر لیا؟ اس نے جواب دیا جی ہاں۔ فرمایا، کیا گھر اور وطن چھوڑتے وقت سب گناہوں کو بھی چھوڑا؟ اس نے نفی میں جواب دیا، آپ نے فرمایا۔ تم نے وطن سے سفر نہیں کیا؟ اچھا جب تم گھر سے نکلے اور رات کے وقت کسی جگہ قیام کیا تو طریق حق کی بھی کوئی منزل طے کی؟ جواب پھر نفی میں تھا۔ آپ نے فرمایا، تم نے کوئی منزل طے نہیں کی۔ اچھا جب تم نے میقات پر احرام باندھا تو کیا اپنی صفاتِ بشری سے بھی روگرداں ہوئے؟ جواب نفی میں پاکر آپ نے پھر فرمایا تم نے احرام نہیں باندھا۔ اچھا جب تم عرفات کے میدان میں کھڑے ہوئے تو کیا کشف و مشاہدہ میں بھی کھڑا ہونا نصیب ہوا؟ جواب نفی میں تھا۔ آپ نے فرمایا تم عرفات میں کھڑے نہیں ہوتے۔ اچھا جب تم مزدلفہ میں گئے اور تمہارا مقصد پورا ہو گیا تو اپنی نفسانی خواہشات کو ترک کر دیا؟ جواب ملا نہیں۔ فرمایا تم مزدلفہ میں بھی نہیں گئے۔ اچھا جب بیت اللہ کا طواف کیا تو باطن کی آنکھ سے حق تعالیٰ کے لطائف جمال کو دیکھا؟ جواب پھر نفی میں تھا۔ آپ نے پھر کہا۔ تم نے طواف بھی نہیں کیا۔ اچھا صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتے وقت کیا تم نے صفا و مروہ کا مرتبہ سمجھا؟ جواب نفی میں تھا۔ آپ نے فرمایا تم نے سعی بھی نہیں کی۔ اچھا جب منیٰ میں آئے تو کیا تمہاری حسرتیں ساکت ہو گئیں؟ عرض کیا نہیں۔ آپ نے فرمایا تم منیٰ بھی نہیں گئے۔ اچھا جب قربان گاہ پر قربانی دی تو کیا خواہشات نفسانی کو قربان کیا؟ عرض کیا نہیں۔ آپ نے پھر فرمایا۔ تم نے قربانی بھی نہیں دی۔ اچھا جب کنکر پھینکے تو تمام نفسانی امور پھینک دیئے؟ جواب پھر نفی میں تھا۔ آپ نے فرمایا تم نے کنکر بھی نہیں پھینکے۔ تمہارا حج بھی نہیں ہوا۔ واپس جاؤ اور اس طریق پر حج ادا کرو تاکہ مقام ابراہیم نصیب ہو۔

زکوٰۃ

حق تعالیٰ نے فرمایا (ترجمہ) "نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو" یاد رکھو مال کی طرح مرتبے پر بھی زکوٰۃ واجب ہے کیونکہ وہ بھی نعمت تمام ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حق تعالیٰ نے تمہارے اوپر جاہ و مرتبہ کی زکوٰۃ بھی فرض کی ہے جس طرح مال کی زکوٰۃ فرض ہے۔" اور نیز فرمایا ہر چیز کی زکوٰۃ ہے مثلاً گھر کی زکوٰۃ مہمان خانہ ہے۔ زکوٰۃ درحقیقت شکر نعمت ہے۔ تندرستی بڑی نعمت ہے۔ ہر عضو کی زکوٰۃ ہے اس کی صورت یہ ہے کہ اپنے تمام اعضا کو مشغول عبادت رکھے اور صرف کھیل کود کے لیے وقف نہ کر دے تاکہ زکوٰۃ نعمت کا حق ادا ہو۔ باطنی نعمتوں کی بھی زکوٰۃ ہے جو چیز بھی کثرت سے ہو اس کی کثرت کے مطابق زکوٰۃ واجب ہے اور مال کی طرح جاہ و مرتبے پر بھی زکوٰۃ فرض ہے۔

روزہ باطنی عبادت ہے

خدائے عزوجل نے فرمایا "اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے" پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام نے خبر دی کہ حق تعالیٰ نے کہا "روزہ میرے لیے ہے اور میں اس کی جزا دوں گا" روزہ ایک باطنی عبادت ہے جس کا ظاہر سے کوئی تعلق نہیں۔ کوئی غیر اس سے حصہ دار نہیں ہوتا۔ اسی لیے اس کی جزا بھی عظیم ہے لوگوں کا داخلہ بہشت میں رحمت الٰہی سے ہوگا۔ درجات بقدر عبادات ملیں گے مگر ہمیشہ بہشت میں رہنے کا ضامن روزہ ہوگا۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے خود اس کی جزا دینے کا وعدہ کیا ہے۔

نماز کی فضیلت

حق تعالیٰ نے فرمایا (ترجمہ) نماز قائم کرو۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نماز اور جو کچھ ملک میں ہے اس کا خیال کرو"۔

احادیث میں آیا ہے کہ جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا کرتے تھے تو ان کے باطن میں ایک دیگ کی طرح جوش ہوتا تھا جس کے نیچے آگ جل رہی ہو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ قصد نماز فرماتے تھے تو آپ کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا اور فرماتے تھے اس امانت کو ادا کرنے کا وقت آگیا ہے جسے اٹھانے سے زمین و آسمان عاجز تھے۔

یاد رکھو نماز ایک ایسی عبادت ہے جو ابتدا سے انتہا تک راہ حق پر اہل طلب کی رہنمائی کرتی ہے۔

بھوک

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بھوکے پیٹ والا حق تعالیٰ کے نزدیک ستر، غافل عبادت گزاروں سے زیادہ محبوب ہے"۔

بھوک نفس کو انکساری اور دل کو عجز سکھاتی ہے۔ بھوکے آدمی کا جسم منکر اور دل عاجز ہوتا ہے۔ قوت نفس بھوک سے فتح ہو جاتی ہے جسم کو بھوک سے تکلیف ہوتی ہے مگر دل کو روشنی ملتی ہے روح کو صفا اور باطن کو بقا۔ جب باطن کو بقا روح کو صفا اور دل کو ضیا نصیب ہو تو جسمانی تکلیف سے کیا نقصان ہو سکتا ہے۔